اہلِ سُنّت کا تصورِ ”سُنّت“ (۳)

حافظ محمد زبیر

سہ ماہی حکمت قرآن کے گزشتہ دو شماروں بابت اپریل تا جون ۲۰۰۸ء اور جولائی تا ستمبر ۲۰۰۸ء میں 'اہلِ سُنّت کا تصورِ سُنّت' کے نام سے ہمارا ایک مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا' جس میں اہلِ سُنّت کے متوازن و معتدل تصورِ سُنّت کو قرآن و سُنّت اور ائمہ سلف کی آراء کی روشنی میں اجاگر کیا گیا تھا۔ بہت سے دوست واحباب نے اس مضمون کو سراہا اور بعض شائقینِ علم کی طرف سے کچھ سوالات بھی موصول ہوئے۔ عام طور پر یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ چونکہ پاکستان میں حنفی مسلک کی اکثریت ہے لہٰذا اہلِ سُنّت کے تصورِ سُنّت کے بیان میں فقہ حنفی کے متقدمین علماء کے حوالہ جات کو کثرت سے پیش کیا جائے۔ ذیل میں ہم موصول ہونے والے اشکالات وسوالات کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں ان کا جواب واضح کر رہے ہیں۔ ممکن حد تک کوشش کی جائے گی کہ قارئین کو اس مضمون میں حنفی فقہاء کی تحقیقات سے زیادہ سے زیادہ روشناس کرایا جائے۔ طوالت کے پیش نظر اکثر مقامات پر صرف تراجم پر اکتفا کیا گیا ہے' اگرچہ ایک تحقیقی مضمون کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ اس میں متن کو بھی شامل ہونا چاہیے۔ اس مضمون کے مطالعہ کے دوران یہ واضح رہے کہ سُنّت کی یہ بحث سُنّت سے متعلق بعض انتہا پسندانہ نظریات کے تناظر میں لکھی گئی ہے جن کی طرف ہم نے سابقہ دو اقساط میں اشارے کیے ہیں۔ اس پس منظر کے ساتھ اس مضمون کی تفہیم زیادہ مناسب اور صحیح رہے گی۔

سوال: 'سُنّت' کا لغوی مفہوم بیان کریں اور یہ بھی واضح کریں کہ عربی ادب میں لفظ 'سُنّت' کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟

جواب: ابن عادل الحنبلیؒ (متوفی ۸۶۰ھ) لکھتے ہیں:

والسنن جمع سنة و هی الطریقة التی یکون علیها الانسان و یلازمها و منه سنة الأنبیاء قال خالد الهذلی لخاله أبی ذؤیب:

فلا تجزعن من سنة أنت سرتها
فأول راض سنة من یسیرها

و قال آخر:

و ان الألى بالطف من آل هاشم
تأسوا فسنوا للكرام التآسيا

و قال لبيد:

من أمة سُنّت لهم آباؤهم
و لكلّ قوم سُنّة و امامها

و قال المفضل:"السنة الأمة" وأنشد:

ما عاين الناس من فضل كفضلكم
ولا رأوا مثلكم فى سالف السنن

و لا دليل فيه لاحتمال أن يكون معناه أهل السنن قال الخليل سنّ الشيء بمعنى صوّره ومنه من حمأ مسنون أى مصور و قيل: سنّ الماء و الدرع اذا صبهما و قوله: من حمأ مسنون يجوز أن يكون منه و لكن نسبة الصب الى الطين بعيدة و قيل: مسنون أى متغير و قال بعض أهل اللغة: هى من سنّ الماء يسنّه اذا والى صبه و السن: صب الماء و العرق نحوهما و أنشد لزهير:

نعودها الطراد كل يوم
تسن على سنابكها القرون

أى يصب عليها من العرق شبه الطريقة بالماء المصبوب فانه يتوالى جرى الماء فيه على نهج واحد فالسنة بمعنى: مفعول كالغرفة۔و قيل اشتقاقها من سننت النصل أسنه سنا اذا جددته على المسن و المعنى الطريقة الحسنة يعتنى بها كما يعتنى بالنصل و نحوه۔و قيل من سن الابل اذا أحسن رعايتها و المعنى: أن صاحب السنة يقوم على أصحابه كما يقوم الراعى على ابله و الفعل الذى سنه النبیﷺ سمی سنة بمعنى: أنهﷺ أحسن رعايته و ادامته(۱)

''لفظ سُنن' سُنّت' کی جمع ہے اور 'سُنّت' سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر انسان چلتا ہے اور اس کو لازم پکڑ لیتا ہے۔ اسی معنی میں 'سنة الأنبياء' یعنی ''انبیاء کا طریقہ'' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک شاعر خالد الہذلی نے اپنے ماموں ابوذؤیب کے بارے میں کہا ہے:

''جس رستے پر تو چل پڑے تو پھر اس پر گھبراہٹ محسوس نہ کر' کیونکہ سب سے پہلا شخص جو کسی رستے سے راضی ہوتا ہے وہ وہی ہوتا ہو جو اُس پر چلنے والا ہو''۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے:

''آل ہاشم کے وہ لوگ جو 'طف' نامی مقام میں ہیں' انہوں نے صبر کیا ہے اور ایک دوسرے کو تسلی

دیتے ہوئے باعزت لوگوں کے لیے (صبر کا) ایک طریقہ چھوڑا ہے''۔
لبید کا شعر ہے:
''وہ لوگ ایک ایسی قوم میں سے ہیں جن کے لیے ان کے آباء واجداد نے ایک طریقہ چھوڑا ہے اور ہر قوم کا ایک طریقہ اور اس کا کوئی امام ہوتا ہے''۔
'مفضل' نے کہا ہے کہ 'سُنّت' سے مراد 'اُمّت' ہے اور اس نے دلیل کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے:
''لوگوں نے تمہاری بزرگی جیسی بزرگی کسی میں نہیں پائی اور پچھلی اقوام میں تمہاری قوم جیسی قوم نہیں دیکھی''۔
اس میں 'سُنّت' کا معنی 'قوم' لینے میں کوئی دلیل نہیں ہے' کیونکہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ 'سنن' سے مراد 'اہلِ سنن' ہوں۔ امام خلیل کا کہنا ہے کہ 'سنّ الشیء' کا معنی کسی شے کی صورت بنانا ہے اور 'حمأ مسنون' کا لفظ بھی اسی سے ہے' جس کا معنی 'صورت دیا گیا کیچڑ' ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ 'سنّ الماء و الدرع' اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ ان کو انڈیل دیا جائے اور 'حمأ مسنون' کا اس سے ہونا ممکن ہے' لیکن انڈیلنے کی مٹی کی طرف نسبت بعید ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ 'مسنون' سے مراد 'متغیر' ہے۔ بعض اہل لغت کا کہنا ہے: یہ لفظ 'سنّ الماء' سے ہے' یعنی جب کوئی شخص مسلسل پانی انڈیلتا رہے۔ پس 'سنّ' کا بنیادی معنی پانی اور پسینہ وغیرہ انڈیلنا ہے۔ زہیر کا شعر ہے:
''ہم ان گھوڑوں کو دشمن کا سامنا کرنے کے لیے روزانہ تیار کرتے ہیں اور ان کے کھروں پر ان کا پسینہ بہایا جاتا ہے''۔
یعنی ان پر پسینہ بہایا جاتا ہے۔ اس شعر میں رستے کو انڈیلے ہوئے پانی سے تشبیہہ دی گئی ہے' کیونکہ انڈیلے ہوئے پانی میں پانی کا بہنا مسلسل ایک ہی نہج پر ہوتا ہے۔ پس 'سُنّت' کا لفظ 'اسم مفعول' کے معنی میں ہے جیسا کہ 'غرفة' کا لفظ ہے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ سُنّت کا لفظ 'سننتُ النصل' سے ہے' یعنی میں نے چاقو کے پھل کو تیز کیا۔ یعنی جب میں نے اس کو کسی سان پر تیز کیا ہو۔ اور 'سُنّت' سے مراد اچھا طریقہ ہوگا کہ جس کا اہتمام کیا جائے' جیسا کہ چاقو کے پھل کی پرواہ وغیرہ کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ 'سُنّت' کا لفظ 'سنّ الابل' سے ماخوذ ہے' یعنی اونٹوں کی اچھی طرح نگہبانی کرنا اور 'سُنّت' کا معنی یہ ہوگا کہ صاحب سُنّت کی حیثیت اپنی قوم کی نگرانی میں ایسی ہی ہوگی جیسا کہ ایک چرواہا اپنے اونٹوں کی نگہبانی کرتا ہے۔ اور جس کام کو اللہ کے رسول ﷺ نے جاری کیا اس کو 'سُنّت' کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ آپؐ نے اس کام کی اچھی طرح نگہبانی کی اور اس کو دوام بخشا''۔
سوال: اہل سُنّت کا لفظ جب آپ استعمال کرتے ہیں تو اس سے آپ کی مراد کون سی جماعت ہوتی ہے؟
جواب: ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فقہی مباحث میں جب اہل سُنّت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس

سے مراد صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ، حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، اہل الحدیث اور اہل الظواہر ہوتے ہیں اور ہمارے اس مضمون میں بھی اہل سُنّت سے مراد یہی گروہ ہیں۔

سوال: اہلِ سُنّت کے ہاں 'سُنّت' کے لفظ کا اصطلاحی معنی کیا ہے؟

جواب: جمیع اہل سُنّت کے نزدیک 'سُنّت' سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال، افعال و تقریرات ہیں۔ معروف حنفی فقہاء علامہ کمال الدین ابن الہمامؒ (متوفی ۸۶۱ھ) اور علامہ ابن امیر الحاجؒ (متوفی ۸۷۱ھ) لکھتے ہیں:

(السنة) و هی لغة (الطريقة المعتادة) محمودة كان أو لا...(و فی الأصول قوله عليه السلام و فعله و تقريره) مما ليس من الأمور الطبيعية[۲]

''سُنّت' کا لغوی معنی ایسا طریقہ ہے جس کے لوگ عادی ہوں چاہے وہ اچھا ہو یا برا...اور اصولِ فقہ میں 'سُنّت' سے مراد رسول اللہ ﷺ کا وہ قول، فعل اور تقریر ہے جو طبعی امور کے علاوہ ہیں''۔

شافعی فقیہہ امام زرکشیؒ (متوفی ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

المراد هنا ما صدر من الرسول ﷺ من الأقوال والأفعال والتقرير و الهم وهذا الأخير لم يذكره الأصوليون[۳]

''یہاں یعنی اصولِ فقہ میں سُنّت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات اور کسی کام کو کرنے کا ارادہ ہیں۔ اس آخری قسم کو 'سُنّت' کی تعریف میں عموماً اصولیین نے بیان نہیں کیا ہے''۔

مالکی فقیہہ امام شاطبیؒ (متوفی ۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:

واذا جمع ما تقدّم تحصل منه فی الاطلاق أربعة أوجه قوله عليه الصلاة والسلام و فعله و تقريره وكل ذلك اما متلقّى بالوحی أو بالاجتهاد بناء على صحّة الاجتهاد فی حقه وهذه الثلاثة والرابع ما جاء عن الصحابة أو الخلفاء[۴]

''سُنّت کے بارے میں ہم نے جو پیچھے بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ 'سُنّت' سے مطلق طور پر مراد رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے اور یہ تینوں یا تو وحی کی بنیاد پر ہوں گے یا آپؐ کا اجتہاد ہوگا، بشرطیکہ آپ کے لیے اجتہاد کرنے کا قول صحیح ہو۔ یہ 'سُنّت' کی تین صورتیں ہیں اور اس کی چوتھی صورت صحابہؓ اور خلفائے راشدین کی سُنّت ہے''۔

حنبلی فقیہہ و مجتہد امام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

الحديث النبوی هو عند الاطلاق ينصرف على ماحدث به عنه بعد النبوة من قوله و فعله واقراره فان سُنّته ثبتت من هذه الوجوه الثلاثة[۵]

''حدیث نبویؐ سے مراد آپؐ کا وہ قول، فعل اور تقریر ہے جو کہ آپؐ سے نبوت کے بعد صادر ہوا ہو۔ پس آپؐ کی 'سُنّت' ان تین صورتوں سے ثابت ہوتی ہے''۔

سلفی فقیہہ و مجتہد امام شوکانیؒ (متوفی ۱۲۵۰ھ)☆ لکھتے ہیں:

واما معناها شرعا أی فی اصطلاح أهل الشرع فهی قول النبی ﷺ وفعله وتقريره(٦)

''اور سُنّت کا شرعی معنی یعنی اہل شرع کی اصطلاح میں 'سُنّت' نبی مکرم ﷺ کے قول' فعل اور تقریر کو کہتے ہیں''۔

سوال: بعض علماء نے سُنّت کے اصطلاحی مفہوم سے مراد 'سُنّتِ مؤکدہ و غیر مؤکدہ' بھی لیا ہے۔ لہٰذا آپ کی اس بات کا کیا مطلب ہے کہ ''سُنّت کا اصطلاحی مفہوم رسول اللہ ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہے اور سُنّت کے اس مفہوم پر اُمّت کا اتفاق بھی ہے''؟

جواب: ہم یہ وضاحت پہلے کر چکے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں 'سُنّت' کا لفظ سُنّتِ مؤکدہ' سُنّتِ غیر مؤکدہ اور سُنّتِ زائدہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح عقائد کی کتب میں کسی عقیدے کو 'سُنّت' کہنے سے عموماً مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ عقیدہ بدعت نہیں ہے۔ لیکن اہلِ سُنّت جب 'سُنّت' کے لفظ کو مصدرِ شریعت اور قانونی ماخذ کے طور پر بیان کرتے ہیں تو ان سب کی مراد ایک ہی مفہوم ہوتا ہے اور وہ آپ ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ مصادرِ شریعت و مآخذِ قانونِ اسلامی کی بحث فقہاء و علماء اصولِ فقہ کی کتابوں میں کرتے ہیں نہ کہ فقہ یا عقائد پر مبنی تصانیف میں۔ لہٰذا اہل سُنّت میں جب بھی کوئی حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی' ظاہری یا سلفی عالمِ دین 'سُنّت' کے لفظ کو مصدرِ شریعت کے معنی میں استعمال کرے گا تو اس کی مراد فی الواقع آپ ﷺ کا قول' فعل اور تقریر ہی ہو گا۔

سوال: بعض عوام الناس کے ذہنوں میں یہ بات بھی بیٹھی ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سُنّت سے مراد آپؐ کی عملی زندگی ہے۔ یہ بات کس حد تک درست ہے؟

جواب: یہ انکارِ حدیث کے گمراہ کن تصورات میں سے ایک تصور ہے جو مولانا اصلاحی مرحوم کی بعض عبارتوں سے مترشح ہوتا ہے۔ بعد ازاں جناب غامدی صاحب نے اپنے استاد اصلاحی صاحب کی عبارتوں پر استوار 'سُنّت' کا ایک بالکل جدید و مذموم تصور متعارف کروایا۔ ہمارے ہاں بعض مذہبی حلقوں میں بھی یہ تصور اصلاحی صاحب سے استفادے کے نتیجے میں نفوذ پذیر ہوا ہے۔ غامدی صاحب کے اس تصور کے مطابق جب 'سُنّت' کے لفظ کو بطور مصدرِ شریعت استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد صرف رسالت

☆ محققین کے نزدیک پہلے یہ زیدی تھے' بعد میں انہوں نے زیدیہ (اہل تشیع کا ایک معتدل فرقہ) کے عقائد و فروعات سے رجوع کر لیا تھا۔ شروع میں یہ زیدی تھے جبکہ بالآخر یہ سلفی المسلک کے پرجوش داعی و مبلغ تھے۔ ان کی کتاب ''**التحف بمذهب السلف**'' اور ''**كشف الشبهات عن المشتبهات**'' اس بات پر دلیل ہیں کہ وہ عقیدے میں سلفی تھے۔ اسی طرح ان کی کتاب ''**القول المفيد فی ادلة الاجتهاد والتقليد**'' اور ''**السيل الجرار**'' یہ واضح کرتی ہے کہ وہ فقہی آراء کے اختیار میں امام زید بن علیؒ کے مذہب کو چھوڑ کر اہل الحدیث کے منہج کو اختیار کر چکے تھے۔

ماٰب ﷺ کی عملی زندگی ہوتی ہے اور آپؐ کے اقوال وتقریرات اور اخبار احاد کو‘ حالانکہ ان کا تعلق عموماً عملی زندگی سے نہیں ہوتا‘ غامدی صاحب مستقل بالذات مصدر شریعت یا ماخذ قانون نہیں سمجھتے۔

دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ اس مضمون میں ہمارا موضوعِ بحث سُنّت کی اتباع ہے اور قرآن و حدیث میں جب اللہ کے رسول ﷺ کی سُنّت یا آپؐ کی بذاتہ اتباع کا حکم دیا جاتا ہے تو کون صاحب عقل یہ کہنے کی جرأت کرے گا کہ آیت قرآنی ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ میں ’فَاتَّبِعُوْنِيْ‘ سے مراد صرف آپ ﷺ کی عملی زندگی میں آپ کی اتباع ہے نہ کہ آپؐ کے اقوال وتقریرات میں؟ واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عملی زندگی آپؐ کی سُنّت کا ایک جزو ہے نہ کہ کل سُنّت ہے۔ کل سُنّت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اقوال‘ افعال اور تقریرات ہیں۔ ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ اتباع سے مراد صرف عمل کی پیروی نہیں ہوتی بلکہ قول کی پیروی بھی اس میں داخل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ﴾ (ھود: ۹۷) میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرعون کے امر وحکم یعنی قول کی پیروی کو اتباع قرار دیا ہے۔

سوال: آپ نے اہل سُنّت کے حوالے سے یہ موقف بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر ہر قول‘ فعل یا تقریر سُنّت نہیں ہے بلکہ آپؐ کے بعض اقوال‘ افعال یا تقریرات سُنّت ہیں۔ بظاہر یہ موقف بھی تو انکارِ سُنّت یا انکارِ حدیث ہی کی ایک قسم نہیں بن جاتا؟

جواب: آپ ہماری بات کو ایک دوسرے زاویے سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اہل سُنّت کا کہنا یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ہر ہر قول‘ فعل یا تقریر سُنّت اور قابل اتباع ہے بشرطیکہ اس کا تعلق شریعت سے ہو۔ اس کی مزید وضاحت اس طرح سے ہے کہ آپؐ اصلاً تو اللہ کے رسول و نبی تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپؐ کی ایک بشری زندگی بھی تھی جس کے تقاضوں کے تحت آپ بعض اوقات کوئی دنیاوی بات بھی فرما لیتے تھے یا کوئی ایسا کام بھی کر لیتے تھے جس کا تعلق ان جائز امور سے ہوتا تھا جو براہِ راست دین کا موضوع نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ خلوت میں اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے کیا باتیں فرمایا کرتے تھے‘ کسی بھی صحابیؓ نے نہ تو ان کو نقل کیا ہے اور نہ ہی ان کے جاننے کی کوشش کی ہے۔ آپ ذرا غور کریں کہ اگر کوئی شخص اتباعِ سُنّت کے جذبے میں غلو کرتے ہوئے آپؐ کے زمانے میں یہ حرکت کر گزرتا کہ آپ ﷺ کے حجرے کے باہر کھڑے ہو کر آپؐ کی وہ باتیں سُنتا جو آپ ﷺ خلوت میں اپنی ازواج سے فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ شخص بھی خلوت میں اپنی بیوی سے وہی باتیں کرے اور سُنّت کا اجر پائے‘ تو اللہ کے رسول ﷺ صحابہؓ یا آج کے ایک غیرت مند مسلمان کی اس ’’متبعِ سُنّت‘‘ شخص کے بارے میں کیا رائے ہوگی؟ اس کو ایک اور مثال سے یوں سمجھیں کہ آپ ﷺ نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا تو اب ایک نوجوان رمضان کے مہینے میں روزانہ اپنی بیوی کا پچاس دفعہ بوسہ اس لیے لے کہ ہر بوسے پر سُنّت کا اجر و ثواب ملے گا تو آپ کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہوگی‘ جبکہ اس کا اپنی بیوی کے ساتھ ملوث ہونے

کا قوی اندیشہ بھی موجود ہو؟ اس ضمن میں ایک اور مثال یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ضرورت کے تحت گدھے کی سواری کی‘ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک جائز امر ہے۔ اب ایک مدرسہ یا دار العلوم والے ایک گدھا خرید کر اپنے پاس رکھ لیں اور روزانہ صبح تمام کلاسز کے طالب علم اور اساتذہ اس گدھے پر باری باری سوار ہوں اور اس عمل کو باعث اجر و ثواب سمجھتے ہوئے اس پر پابندی کریں تو ان ''متبعینِ سُنّت'' کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہوگی؟ اس کو ایک مزید مثال سے سمجھیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی وجہ سے یا بغیر کسی عذر کے اپنی نواسی امامہ بنت زینب کو گود میں اٹھا کر جماعت کروائی۔ اب کسی مسجد میں تمام نمازی اور امام صاحب اپنے شیر خوار بچوں کو روزانہ مسجد میں لے آئیں اور گود میں اٹھا کر نماز پڑھیں تو آپ کی ان نمازیوں کے بارے میں کیا رائے ہوگی؟ اللہ کے رسول ﷺ کا خلوت میں اپنی ازواجِ مطہرات ؓ سے پیار و محبت کی باتیں کرنا‘ روزے کی حالت میں بوسہ دینا‘ اتفاقاً گدھے کی سواری کرنا‘ نماز کی حالت میں اپنی نواسی کو کندھوں پر بٹھانا‘ یہ سب کام اس امر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے تھے کہ یہ جائز و مباح امور ہیں۔ اگر تو یہ کہا جائے کہ آپؐ نے یہ کام اس لیے کیے تا کہ اُمت کو معلوم ہو کہ یہ جائز امور ہیں اور اس اعتبار سے یہ دین کا موضوع ہیں تو ہمیں اس نقطہ نظر سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اس مضمون میں ہمارا موضوعِ بحث 'اتباعِ سُنّت' تھا۔ جب سُنّت کی اتباع کی بحث کی جاتی ہے تو آپؐ کے بہت سے ایسے اقوال و اعمال بھی ہوتے ہیں جن میں اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کی اتباع کا مطالبہ اُمت سے نہیں ہوا ہوتا‘ اسی کو اہل سُنّت آپؐ کی بشری زندگی کا نام دیتے ہیں۔ یعنی ایک آپؐ کی شرعی زندگی ہے اور ایک بشری زندگی ہے۔ آپؐ کی شرعی زندگی کا ہر ہر قول‘ فعل اور تقریر شریعت و قابل اتباع ہے جبکہ آپؐ کی بشری زندگی کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس میں اُمت سے آپؐ کی اتباع کا مطالبہ نہیں ہے۔

سوال: یہ کیسے معلوم ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ کا فلاں قول یا فعل آپؐ کی بشری زندگی سے متعلق ہے یا شرعی زندگی سے؟

جواب: یہ بہت ہی اہم سوال ہے اور اسی سوال کا جواب ہم نے اس مضمون کی پچھلی دو اقساط میں تفصیلاً دیا ہے۔ فقہائے اہل سُنّت نے کچھ ایسے اصول بیان کر دیے ہیں جن کی روشنی میں آپ ﷺ کی شرعی و بشری زندگی سے متعلق اقوال و افعال میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اصول یہ ہے کہ اتفاقی امور کا تعلق آپؐ کی بشری زندگی سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا گدھے کی سواری کرنا یا اونٹ پر طواف کرنا ایک اتفاقی امر تھا۔

سوال: کیا فقہاء نے کوئی ایسی فہرست مرتب کی ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ کی فلاں سنن آپ کی بشری زندگی سے متعلق ہیں اور فلاں کا تعلق شریعت سے ہے؟

جواب: فقہاء یا علماء نے اس قسم کی کوئی فہرست مرتب نہیں کی ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی ایسی فہرست

بھی آج تک فقہاء یا علماء نے مرتب نہیں کی ہے جس میں تمام سنن کا احاطہ کر لیا گیا ہو' بلکہ علماء اور محدثین نے ایسی کتب احادیث کو مرتب و مدوّن کیا ہے جن میں ان سنن کا بیان تھا۔

اس فہرست کو مرتب نہ کرنے میں کیا حکمت کارفرما ہے' اب ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے بعض اقوال و افعال کے بارے میں تو فقہاء کا اجماع ہے کہ ان کا تعلق آپؐ کی شرعی زندگی سے ہے' جیسا کہ آپ ﷺ کا دن میں پانچ نمازیں پڑھنا۔ اور آپؐ کے بعض اقوال و افعال کے بارے میں فقہاء کا اتفاق یہ ہے کہ ان کا تعلق آپؐ کی بشری زندگی سے ہے' جیسا کہ آپ ﷺ کا اونٹ پر طواف کرنا۔ طواف کرنا تو ایک شرعی حکم ہے لیکن اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا ایک بشری تقاضے کے تحت تھا۔ لہٰذا افضل یہی ہے کہ پیدل طواف کیا جائے چاہے اونٹ پر طواف کی سہولت موجود بھی کیوں نہ ہو۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس بات پر اُمت کا اجماع نقل کیا ہے کہ پیدل طواف افضل ہے۔ یعنی آپ ﷺ کا اونٹ پر طواف کرنا ایک شرعی سُنّت نہ تھا بلکہ ایک بشری تقاضا تھا جس میں آپؐ کی اتباع کا مطالبہ اُمّت سے نہیں ہے۔ اور اسی بات کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ایک روایت میں واضح کیا ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کے بعض اقوال و افعال ایسے ہیں جن کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق بشری زندگی سے ہے یا شرعی زندگی سے۔ جیسا کہ آپؐ کے لباس مثلاً عمامے کے بارے میں برصغیر پاک و ہند کے حنفی علماء کا موقف یہ ہے کہ عمامہ پہننا آپ ﷺ کی شرعی زندگی سے متعلق تھا لہٰذا عمامہ باندھنا ایک شرعی سُنّت ہے' جبکہ سعودی عرب اور بعض دوسرے عرب ممالک کے حنبلی' شافعی' مالکی اور سلفی علماء کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عمامہ باندھنا عرب کے رسوم و رواج کے مطابق تھا اور یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے' لہٰذا یہ سُنّتِ شرعیہ بھی نہیں ہے۔ ہمارا موقف بھی یہی ہے' جس پر ہم اِن شاء اللہ ایک علیحدہ مضمون میں بالتفصیل گفتگو کریں گے۔ علماء کا یہ اختلاف دلائل و قرائن کی بنیاد پر ہوتا ہے اور جس طرف قوی استدلال موجود ہوگا وہ موقف راجح ہوگا۔ پس اس مسئلے میں علماء کا یہ اختلاف ایک ایسا امر ہے جو سنن کی اس قسم کی فہرستیں مرتب کرنے میں مانع ہے۔

آج تک مختلف علماء و مفسرین نے قرآن کی آیاتِ احکام سے شرعی احکام کی جو فہرستیں مرتب کی ہیں ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے' کیونکہ منہجِ استنباطِ احکام' اصولِ فقہ' طریقۂ استدلال اور فہم و فراست کا فرق ہوتا ہے۔ ایک فقیہہ کو بظاہر ایک آیت سے کوئی حکم اخذ ہوتا نظر نہیں آتا لیکن دوسرا فقیہہ اسی آیت سے دس قسم کے احکام مستنبط کر لیتا ہے۔ پس احادیث سے رسول اللہ ﷺ کی سنن کی فہرست مرتب کرنے میں بھی اس قسم کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ لہٰذا سنن کے مصادر محدثین نے کتب احادیث کی صورت میں مرتب کر دیے ہیں جن سے علماء قیامت تک انسانی زندگی کے جمیع گوشوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتے رہیں گے۔

سوال: علماء تو اپنے اصول و ضوابط کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی شرعی و بشری زندگی میں فرق کر لیں گے

لیکن ایک عامی کو کیسے معلوم ہوگا کہ یہ شرعی سُنّت ہے یا بشری زندگی ہے؟

جواب: ہم یہ بات پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اصل زندگی شرعی زندگی ہے اور آپؐ کی یہ زندگی آپؐ کی بشری زندگی پر حاوی ہے۔ اصل الاصول یہی ہے کہ آپؐ کے ہر قول' فعل یا تقریر کو شرعی زندگی سے متعلق ہی سمجھا جائے اِلاّ یہ کہ کسی قول یا فعل کے بارے میں کوئی قرینہ یا دلیل پائی جائے کہ اس قول یا فعل کا تعلق بشری زندگی سے ہے۔ پس آپؐ کے اکثر و بیشتر اقوال وافعال شرعی زندگی سے متعلق ہیں جن کی اتباع مطلوب ہے۔ ہاں بعض اقوال و افعال ایسے ہیں جو بشری زندگی میں داخل ہیں لیکن یہ بشری زندگی' آپؐ کی شرعی زندگی کے بالمقابل نسبتاً کم ہے۔ پس ایک عامی جب آپؐ کے کسی قول' فعل یا تقریر کی پیروی کرتا ہے تو آپؐ کی شرعی زندگی ہی کی پیروی کر رہا ہوتا ہے اور آپؐ کے جن اقوال و افعال کا تعلق بشری زندگی سے ہو تو عموماً معاشرے میں علماء کی ان کے بارے میں بحث جاری رہتی ہے اور ایک عامی بھی اگر دین سے تھوڑا بہت تعلق رکھتا ہو تو اسے عموماً معلوم ہوتا ہی ہے کہ اس مسئلے میں علماء کی یہ رائے ہے یا فلاں اختلاف ہے۔ جیسا کہ پاکستان میں نماز کی حالت میں پہلی و تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت کے بارے میں حنفی علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ بشری زندگی سے متعلق تھا' یعنی آپ ﷺ نے بڑھاپے کی وجہ سے جلسۂ استراحت کیا ہے جبکہ اہل حدیث علماء اسے سُنّتِ شرعیہ مانتے ہیں۔ اسی طرح اکثر سلفی علماء کے ہاں عمامہ باندھنا سُنّت نہیں ہے جبکہ حنفی علماء اس کو سُنّت قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص سُنّت کی اتباع کرنا چاہتا ہے تو وہ آپؐ کے اکثر و بیشتر اقوال و افعال کی پیروی کرے گا اور آپؐ کے ان اقوال و افعال کے بارے میں بھی علماء کے اختلاف سے کسی قدر واقف ہوگا جن میں بشری یا شرعی زندگی کا تنازع سلف صالحین ہی سے نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

پس ایک عامی کو ہم یہ نصیحت ضرور کریں گے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ایسے اقوال و افعال کی پیروی و اتباع پر زور نہ دے جن کے بارے میں اُمت کا اتفاق ہے کہ ان میں آپؐ کی اتباع مطلوب نہیں ہے یا ان کے بارے میں امت کا اختلاف ہے کہ وہ اقوال و افعال بشری معاملات سے متعلق ہیں یا شرعی حیثیت سے وارد ہوئے ہیں' اور کوئی ایسے صریح قرائن یا دلائل بھی موجود نہ ہوں جو ان اقوال یا افعال کے شرعی ہونے میں نصِ قطعی یا ظنِ غالب کا درجہ رکھتے ہوں۔

سوال: بعض لوگ آپ کے بارے میں یہ بات مشہور کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنے سابقہ مضمون میں یہ لکھا ہے کہ عمامہ پہننا بدعت ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب: ہم ایسا بہتان لگانے والوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ ہمارا نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ جو عمامہ پہننے کو بدعت کہے وہ خود بدعتی ہے۔ صحیح احادیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمامہ پہنا تو آپؐ معاذ اللہ! کوئی بدعت کیسے کر سکتے ہیں؟ درحقیقت ہمارے بعض ناراض دوستوں نے جب ہمارا موقف

اپنے تعصب کی عینک سے دیکھنا شروع کیا تو انہوں نے ایسی چیزیں کھینچ تان کر ہمارے مضمون سے نکالنے کی کوشش کی جو ہمارا مقصود نہ تھیں۔ آپ ہماری بات کو غور سے سمجھیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عمامہ باندھا' کیونکہ عمامہ آپؐ کے زمانے کا ایک معروف و مروّج لباس تھا' لیکن آپؐ نے عمامہ تقرب الی اللہ یا عبادت یا ثواب کی نیت سے نہیں باندھا۔ لہٰذا عمامہ باندھنے کا تعلق آپؐ کی بشری زندگی سے ہے۔ پس عمامہ باندھنا ایک مباح امر ہے۔ اگر کوئی شخص عمامہ باندھنا چاہتا ہے تو ضرور باندھے۔ ہمیں اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے! لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپؐ نے عمامہ تقرب الی اللہ یا عبادت کی نیت سے باندھا تھا تو ہمیں اس سے اختلاف ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہمارے نزدیک عمامہ باندھنا اور نہ باندھنا برابر ہے۔ نہ عمامہ باندھنے پر کوئی اجر و ثواب ہے اور نہ ہی عمامہ نہ باندھنے پر۔ عمامہ باندھنا اور نہ باندھنا ایک مباح امر ہے اور مباح کی تعریف علمائے اہل سُنّت کے ہاں یہی ہے کہ جس کے کرنے یا نہ کرنے پر کوئی اجر و ثواب نہ ہو۔ عمامے کی مثال ایسے ہی ہے جیسا کہ آپؐ نے تہبند باندھا۔ لہٰذا تہبند باندھنا اور نہ باندھنا اور عمامہ باندھنا یا نہ باندھنا یہ کوئی دین کا موضوع نہیں ہے' بلکہ اس کا تعلق آپ ﷺ کی بشری زندگی سے ہے جس میں آپؐ کی اتباع کا امت سے کوئی تقاضا نہیں ہے۔

سوال: آپ نے اپنے مضمون میں اہل بدعت کا لفظ استعمال کیا تھا تو وہ آپ نے کس کو کہا تھا؟ آپ اپنی مندرجہ بالا بات کو ذرا مزید واضح کریں۔

جواب: یہ ایک انتہائی باریک نکتہ ہے جو کہ حضرت عمرؓ نے اور امام ابن تیمیہؒ نے بیان کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے گدھے کی سواری کی۔ ظاہری بات ہے اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کام اتفاقاً یا ضرورتاً کیا تھا۔ کوئی بھی صاحبِ عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ ﷺ تقرب الی اللہ یا عبادت یا ثواب کی نیت سے گدھے پر سوار ہوئے۔ یعنی ایسا معاملہ نہیں تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ وحی ہوئی ہو کہ گدھے کی سواری اللہ کے ہاں باعث اجر و ثواب ہے لہٰذا آپؐ نے اجر و ثواب کی نیت سے گدھے کی سواری کی ہو' بلکہ آپؐ کو سواری کی ضرورت تھی' لہٰذا جو سواری میسر آئی آپؐ اس پر سوار ہو گئے۔ پس گدھے پر سواری ایک دینی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آپؐ کی بشری زندگی سے ہے۔ چنانچہ گدھے پر سواری ایک جائز امر ہے' لیکن اس فعل میں امت سے آپؐ کی اتباع کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس واقعے کا اگر ہم تجزیہ کریں تو درج ذیل ممکنہ موقف ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) گدھے کی سواری ایک مباح و جائز امر ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے گدھے کی سواری ثواب کی نیت سے نہیں کی' لہٰذا ایک مسلمان کو بھی جب گدھے کی سواری کی ضرورت پیش آئے تو وہ بھی اسی نیت کے ساتھ اس کی سواری کرے جس نیت کے ساتھ آپؐ نے اس کی سواری کی تھی۔ یعنی آپؐ نے اگر ایک کام کو مباح (بغیر اجر و ثواب کی نیت کے) سمجھ کر کیا تو آپ کی اتباع یہی ہے کہ اُمت بھی اس کو مباح سمجھ

کر کرے۔ اگر آپؐ نے ایک کام مباح سمجھ کر کیا اور کوئی امتی اس کام کو مستحب (باعث اجر وثواب) سمجھ کر کرے تو ایسا امتی آپؐ کا متبع نہیں ہے۔ یہ موقف علمائے اہل سُنّت کا ہے۔

(۲) گدھے کی سواری ایک سُنّتِ شرعیہ ہے۔ پس گدھے پر سوار ہونا باعث عبادت واجر وثواب ہے اور آپؐ کی اس اتباع میں شامل ہے جس کا حکم ہمیں ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ﴾ میں دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اور امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک یہ موقف ایک بدعتی موقف ہے۔

میں پھر یہ کہوں گا کہ میں یہ نہیں کہتا بلکہ حضرت عمرؓ اور امام ابن تیمیہؒ نے اس موقف کو بدعت کہا ہے اور ان ہی بزرگوں کے حوالے ہم نے اپنے اصل مضمون میں نقل کیے تھے۔ میں تو دین کا ایک ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ میری کیا مجال کہ اتنی بڑی بات کہوں! اگر کسی شخص کو اعتراض ہو تو وہ ان دلائل کا جواب دے جو کہ حضرت عمرؓ اور امام ابن تیمیہؒ نے اس مسئلے میں بیان کیے ہیں۔

سوال: ہمارے ہاں حنفی فقہ کے پیروکاروں کی اکثریت ہے۔ اگر آپ اس مسئلے کی وضاحت میں کچھ حنفی فقہاء کے اقوال پیش کر دیں تو شاید ہمیں اطمینان ہو جائے۔

جواب: متقدمین حنفی فقہاء نے اس مسئلے پر مفصل بحث کی ہے جو ان کی اصول کی کتابوں میں موجود ہے۔ امام ابو بکر جصاص الحنفیؒ (متوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

> **فمعلوم أنه ان كان فعله على وجه الاباحة والندب ثم فعلناه نحن على وجه الوجوب لم نكن متبعين له لأن شرط الاتباع ايقاعه على الوجه الذى أوقعه عليه و متى خالفناه فى هذا الوجه خرجنا من حد الاتباع. ألا ترى أن من فعل فعلا ففعل غيره مثله على وجه المعارضة له و المضاهاة لفعله قاصدا المعارضة و مباراته لم يكن متبعا له و ان كان قد أوقع فعلا مثل فعله فى الظاهر**(۷)

> ”یہ بات معلوم شدہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ایک کام کو مباح یا مستحب سمجھ کر کیا ہے اور ہم اسے واجب سمجھ کر کریں تو آپؐ کے متبع شمار نہ ہوں گے‘ کیونکہ اتباع کی یہ لازمی شرط ہے کہ کسی کام کو اسی نیت وارادے سے کیا جائے جس نیت وارادے سے آپؐ نے اس کام کو کیا ہے۔ اور اگر (کسی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے) ہم نیت وارادے میں آپؐ کی مخالفت کریں گے تو ہم اتباع کی تعریف سے نکل جائیں گے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ ایک شخص ایک کام کرتا ہے اور ایک دوسرا شخص بظاہر ویسا ہی کام کرتا ہے لیکن اس کا مقصود پہلے شخص کی مخالفت اور اس سے علیحدگی ہے‘ تو بظاہر دونوں کے کام میں کتنی ہی مشابہت کیوں نہ ہو دوسرا شخص پہلے کا متبع نہ ہوگا“۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہائے احناف کے ہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے فعل کو جو رسول اللہ ﷺ کے حق میں مباح ہو‘ مستحب سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو تو وہ امتی آپؐ کا متبع نہیں ہے۔ پس ہم بھی یہی بات کرتے ہیں

کہ آپؐ کے جو اقوال و افعال باتفاقِ اُمت مباح درجے کے ہیں ان کو مستحب یا مندوب نہ بنالیا جائے۔

سوال: مباح و مندوب میں اہل سُنّت کے نزدیک کیا فرق ہے؟ حنفی فقہاء کے حوالے سے بیان کریں!

جواب: اہل سُنّت کے نزدیک مباح سے مراد وہ امور ہیں جن کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہو اور ان کے کرنے اور نہ کرنے میں کوئی اجر و ثواب نہ ہو۔ جبکہ مندوب سے مراد وہ افعال ہیں جن کے کرنے پر اجر و ثواب کا وعدہ ہو لیکن ان کا کرنا لازم نہ ہو۔ علامہ علاؤ الدین بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) فرماتے ہیں:

''ہمارے فقہاء کی بعض اصول کی کتابوں میں اس بات کا تذکرہ موجود ہے کہ مکلّف سے صادر ہونے والے فعل میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو اس فعل کی ادائیگی کا پہلو راجح ہوگا یا ترک کا' یا ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہوگا۔ پہلی قسم میں (جبکہ کسی مکلّف کے فعل کی ادائیگی کا پہلو راجح ہو) ایک صورت تو یہ بنے گی کہ اس کے منکر کی تکفیر کی جائے اور اس کو گمراہ ٹھہرایا جائے اور یہ فرض ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے منکر کی تکفیر نہ ہو لیکن اس کو چھوڑنے پر عذاب کی وعید ہو تو یہ واجب ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس کے چھوڑنے پر سزا بھی نہ ہو۔ اور اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔ یا تو آپؐ نے اس پر مواظبت اختیار کی ہو تو یہ سُنّتِ مشہورہ ہے اور اگر آپؐ نے اس پر مواظبت اختیار نہیں کی تو یہ نفل یا مندوب یا تطوع ہے۔ دوسری قسم (جس میں مکلّف کے فعل میں ترک کا پہلو راجح ہو) میں پہلی صورت تو یہ ہے کہ اس کے کرنے میں عذاب ہو اور یہ حرام ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے کرنے پر عذاب نہ ہو اور یہ مکروہ ہے۔ تیسری قسم مباح ہے جس کی ادائیگی میں نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اس کے چھوڑنے پر کوئی عذاب ہے''۔[۸]

سوال: آپ کی باتوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں عمامہ وغیرہ نہیں باندھنا چاہیے۔ کیا یہ درست ہے؟

جواب: میں نے یہ کب کہا ہے کہ ہمیں عمامہ نہیں باندھنا چاہیے؟ میں نے تو یہ کہا ہے کہ عمامہ باندھنے کو دین کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے۔ علاوہ ازیں ہم نے پہلے بھی یہ لکھا تھا اور اب بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ مذہبی حلقوں' دینی تحریکوں اور علماء کو اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھنا چاہیے۔ چاہے عمامہ باندھیں یا ٹوپی استعمال کریں۔

سوال: آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ عمامہ باندھنا دین کا مسئلہ نہیں ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ مذہبی لوگوں کو عمامہ باندھنا چاہیے۔ یہ تضاد بیانی نہیں ہے؟

جواب: یہ بالکل بھی تضاد نہیں ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دینی تحریکوں کے کارکنان کو اپنا سر ڈھانپ کر رکھنا چاہیے تو وہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے مسلمان معاشروں کا یہ عرف و رواج ہے کہ علماء اپنے سر کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھیں کہ اگر ہم کسی شخص سے یہ سوال کریں کہ کپڑے استری کر کے پہننے چاہئیں یا بغیر استری کے؟ تو اس کا جواب ہوگا کہ استری کر کے پہننے چاہئیں۔ لیکن اگر اسی شخص سے یہ بھی سوال کیا جائے کہ کیا استری شدہ کپڑے پہننا ایک دینی مسئلہ' یعنی باعث اجر و ثواب ہے؟ تو اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ لہٰذا کسی کام کے کرنے کا مطلب یہ بالکل بھی نہیں ہے کہ ہم اسے صرف

اسی صورت کرتے ہیں جبکہ وہ ہمارے دین ہی کا مطالبہ ہو۔ یہ مسئلہ اصولی طور پر عرف کی بحث کا ہے۔

سوال: متقدمین حنفی فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کے افعال کی جو قسمیں بیان کی ہیں ان پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

جواب: احنافؒ نے اللہ کے رسول ﷺ کے افعال کی چھ قسمیں بنائی ہیں:

پہلی قسم: فقہائے احناف کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کے افعال کی ایک قسم وہ ہے جو کہ 'غیر ارادی افعال' پر مشتمل ہے۔ غیر ارادی افعال کئی قسم کے ہوتے ہیں جن میں ایک کو فقہائے احناف نے 'زلۃ' یعنی بھول چوک کا نام دیا ہے۔ 'زلۃ' کے علاوہ غیر ارادی افعال کی ایک دوسری قسم کے طور پر فقہائے احناف نے آپؐ کے ان افعال کو بھی بیان کیا ہے جو آپؐ سے نیند یا بے ہوشی کی حالت میں سرزد ہوئے ہوں۔ فقہائے احناف کے نزدیک اس قسم کے افعال میں اللہ کے رسول ﷺ کی اقتداء کسی بھی امتی کے لیے جائز نہیں ہے۔ فخر الاسلام امام بزدویؒ (متوفی ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

> ''اللہ کے رسول ﷺ کے افعال کی اقسام میں مباح' مستحب' واجب اور فرض شامل ہیں۔ آپؐ کے افعال کی ایک اور قسم 'زلۃ' بھی ہے۔ 'زلۃ' کا تعلق اس باب (یعنی اتباع) سے نہیں ہے' کیونکہ 'زلۃ' میں کسی بھی نبی و رسول کی اقتداء و پیروی درست نہیں ہے۔ (قرآن و سُنّت میں) اس قسم کے افعال کے تذکرہ کے ساتھ ہی خود فاعل یا اللہ کی طرف سے ایک بیان متصل بعد ہوتا ہے (جو کہ اس کے قابل اقتداء نہ ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے)۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور حضرت آدمؑ نے نافرمانی کی''۔ ایک اور جگہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک قبطی کے قتل ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''حضرت موسیٰؑ نے کہا یہ تو شیطان کا کام ہے''۔ 'زلۃ' سے مراد وہ فعل ہے جس کے کرنے کا فاعل نے ارادہ نہ کیا ہو لیکن فاعل نے ایک دوسرے مباح فعل کا قصد کیا ہو اور اس مباح فعل کے ارتکاب نے فاعل کو 'زلۃ' تک پہنچا دیا ہو''۔ پس وہ شخص ایک مقصود بعینہٖ حرام فعل (یعنی ایسا حرام فعل کہ اس کے ارتکاب کا قصد کیا گیا ہو) میں مشغول ہونے کی وجہ سے پھسل گیا''۔ (۹)

شمس الائمہ امام سرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

> ''جان لو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے وہ افعال جو کہ قصد و ارادے سے ہوں' ان کی چار اقسام ہیں: مباح' مستحب' واجب اور فرض۔ ایک پانچویں قسم 'زلۃ' کی بھی ہے لیکن وہ اس باب (یعنی اتباع کے باب) میں داخل نہیں ہے' کیونکہ 'زلۃ' میں آپؐ کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ اس باب میں ان افعال کے حکم کو بیان کیا جائے گا جن میں آپؐ کی اقتداء ہو گی۔ اسی لیے نیند یا بے ہوشی کے عالم میں آپؐ سے صادر ہونے والے افعال کا تذکرہ اس جگہ نہیں ہوگا' کیونکہ ان حالتوں میں آپؐ سے صادر ہونے والے افعال میں آپؐ کا قصد و ارادہ شامل نہیں ہوتا ہے' لہٰذا ان حالتوں میں آپؐ سے

صادر ہونے والے افعال حکم شرعی میں داخل نہ ہوں گے۔ جہاں تک ’زلۃ‘ کا معاملہ ہے تو اس میں عین فعل کا قصد نہیں ہوتا لیکن اصل فعل کی طرف قصد موجود ہوتا ہے‘‘۔(۱۰)

علامہ علاؤ الدین بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں:

’’بنیادی طور پر افعال کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ان افعال کی ہے جن کا صرف وجود ہوا اور کوئی زائد صفت (مثلاً ارادہ وغیرہ) ان کے ساتھ متصل نہ ہو۔ جیسا کہ کسی سوتے ہوئے یا بھولے ہوئے آدمی کا فعل ہے۔ یہ افعال نہ تو حسن ہوں گے اور نہ ہی قبیح ہو سکتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ افعال شامل ہیں جن کے وجود کے ساتھ کوئی زائد صفت (مثلاً ارادہ وغیرہ) بھی شامل ہو‘ جیسا کہ مکلفین کے افعال ہیں۔ ان افعال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم ’حسن‘ کہلاتی ہے اور دوسری ’قبیح‘۔ ’حسن‘ کی آگے مزید تین قسمیں ہیں‘ یعنی واجب‘ مندوب اور مباح۔ اور ’قبیح‘ کی دو قسمیں ہیں‘ یعنی حرام و مکروہ۔ اور ان تمام افعال کا صدور سوائے آخری قسم (یعنی قبیح) کے تمام مکلفین سے ممکن ہے‘ چاہے وہ انبیاءؑ ہوں یا عام انسان۔ جہاں تک آخری قسم (یعنی قبیح) کا تعلق ہے تو انبیاء کے سوا تمام لوگوں سے اس کا وقوع ممکن ہے جبکہ انبیاءؑ سے ان افعال کا صدور ممکن نہیں ہے جو کہ معصیت ہوں‘ کیونکہ عام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے کہ انبیاء کبیرہ گناہوں کے ارتکاب سے معصوم ہوتے ہیں۔ ہمارے اصحاب (یعنی حنفیہ) کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء صغائر سے بھی پاک ہوتے ہیں اگرچہ وہ ’زلۃ‘ کا ارتکاب کر سکتے ہیں‘ جبکہ بعض اشعریہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے (یعنی ان کے نزدیک انبیاء ’زلۃ‘ کے علاوہ صغائر کے بھی مرتکب ہو سکتے ہیں)۔ پس یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس باب میں افعال سے مراد آپؐ کے وہ افعال ہیں جو قصد و ارادے سے واقع ہوں اور ’زلۃ‘ کی قبیل سے نہ ہوں‘ کیونکہ اس باب میں آپؐ کی اتباع کا مسئلہ زیر بحث ہے اور آپؐ کے جو افعال بھول چوک میں سے ہوں یا بے ہوشی و نیند کی حالت میں آپؐ سے صادر ہوئے ہوں تو ان میں آپؐ کی اقتداء درست نہیں ہے...... ’زلۃ‘ میں عین فعل کا ارادہ نہیں ہوتا لیکن اصل فعل کا قصد ضرور ہوتا ہے...... ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ نے عصمت انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ’زلۃ‘ کا معنی یہ نہیں ہے کہ وہ حق سے باطل اور اطاعت سے معصیت کی طرف پھسل گئے‘ بلکہ اس کا اصل معنی یہ ہے کہ وہ افضل سے مفضول اور زیادہ صحیح سے صحیح کی طرف مائل ہو گئے‘‘۔(۱۱)

☆ علامہ علاؤ الدین بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) کی اس مذکورہ بالا عبارت میں ایک قابل غور اہم نکتہ یہ ہے کہ انہوں نے مباح کو ’قبیح‘ کے بالمقابل ’حسن‘ کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ پس ’مباح‘ اگرچہ ’حسن‘ ہوتا ہے لیکن اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ہوتا۔ علامہ صاحب اپنی کتاب میں مباح کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و أما الثالث فهو المباح إذ ليس في أدائه ثواب' و لا في تركه عقاب(۱۲)

''تیسری قسم مباح ہے جس کی ادائیگی میں نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اس کے چھوڑنے پر کوئی سزا ہے''۔

☆ مذکورہ بالا بحث سے ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ 'مباح' پر اگر اجر و ثواب نہیں ہے تو اس کو 'حسن' کس پہلو سے کہا گیا ہے؟ بعض اصولیین نے 'مباح' کے 'حسن' ہونے کی بحث کو مستقل طور پر بیان کیا ہے اور اس میں اس نکتے کی بھی وضاحت کی ہے۔ امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

''اگر یہ کہا جائے کہ کیا مباح 'حسن' ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ اگر تو 'حسن' سے مراد یہ ہے کہ فاعل کو اس کو کرنے کی اجازت ہے تو اس اعتبار سے مباح 'حسن' ہے۔ اور اگر 'حسن' سے مراد یہ ہے کہ اس کے فاعل کی تعظیم کی جائے اور اس کا فاعل قابل تعریف ہو اور اسی طرح 'قبیح' سے مراد یہ ہے کہ اس کے فاعل کی مذمت یا سزا کا اعتقاد ہو تو اس معنی میں مباح 'حسن' نہیں ہے''۔(۱۳)

دوسری قسم: اس قسم میں رسول اللہ ﷺ کے وہ افعال شامل ہیں جو جبلی امور سے متعلق ہیں۔

فقہائے احناف کے نزدیک یہ افعال بالاتفاق مباح ہیں۔ علامہ علاؤ الدین بخاریؒ لکھتے ہیں:

''علماء نے اللہ کے رسول ﷺ کے ان تمام افعال کی شرعی حیثیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے جو بھول چوک یا سہو کے علاوہ ہیں —— مثلاً آپؐ کا ظہر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دینا یہاں تک کہ ذوالیدینؓ نے کہا: اے نبی ﷺ! کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپؐ بھول گئے ہیں؟ —— اور ایسے طبعی افعال کے علاوہ ہیں جن سے کوئی بھی ذی روح مخلوق خالی نہیں ہوتی۔ مثلاً سانس لینا' کھڑا ہونا' بیٹھنا' کھانا' پینا وغیرہ۔ یہ تمام افعال آپؐ اور اُمت کے حق میں مباح ہیں اور ان کے مباح ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے''۔(۱۴)

علامہ ابن الھمامؒ (متوفی ۸۶۱ھ) اور ابن امیر حاج الحنفیؒ (متوفی ۸۷۱ھ) لکھتے ہیں:

(مسألة الاتفاق فی أفعاله الجبلية) أی الصادرة بمقتضی طبیعته ﷺ فی أصل خلقته كالقیام و القعود و النوم و الأكل و الشرب(الإباحة لنا و له)(۱۵)

''رسول اللہ ﷺ کے جبلی افعال جو کہ آپؐ سے بتقاضائے طبیعت صادر ہوئے ہیں' جیسا کہ کھڑا ہونا' بیٹھنا' سونا' کھانا اور پینا وغیرہ' تو اس کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ تمام افعال آپؐ اور امت کے حق میں مباح ہیں''۔

☆ اس بحث میں پہلا نکتہ تو یہ ہے کہ مباح کی تعریف احناف کے نزدیک بالاتفاق یہ ہے کہ جس کے کرنے پر کوئی ثواب نہ ہو اور نہ ہی اس کے ترک پر عذاب ہو۔ علامہ علاؤ الدین بخاریؒ فرماتے ہیں:

''تیسری قسم مباح ہے جس کی ادائیگی میں نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی اس کے چھوڑنے پر کوئی سزا ہے''۔(۱۶)

پس احناف کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کے جبلی افعال کی مطلق پیروی پر کوئی ثواب نہیں ہے۔

☆ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ امام جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ایسے افعال جو کہ امت کے حق میں 'مباح' ہیں' ان کے لیے لفظ 'سُنّت' بھی استعمال نہیں ہو سکتا ہے۔

قال أبو بکر: و أحکام السنة علی ثلاثة أنحاء: فرض' و واجب' و ندب' و لیس یکاد یطلق علی المباح لفظ السنة' لأن قد بینا: أن معنی السنة: أن یفعل' أو یقول' لیقتدی به فیه' و یداوم علیه' و یستحق به الثواب' و ذلك معدوم فی قسم المباح(۱۷)

''امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ: سُنّت کے احکام تین قسم پر ہیں۔ فرض' واجب اور مندوب۔ اور مباح فعل پر لفظ 'سُنّت' کا اطلاق درست نہیں ہے' کیونکہ ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ 'سُنّت' کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوئی کام کریں یا کوئی حکم اس لیے دیں کہ اس میں آپؐ کی اقتداء کی جائے' اس پر عمل میں دوام اختیار کیا جائے اور اس پر عمل سے ثواب حاصل ہو' اور یہ تینوں باتیں مباح میں معدوم ہیں''۔

☆ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ بعض فقہائے احناف نے رسول اللہ ﷺ کے جبلی امور کی پیروی کو 'حسن' کہا ہے تو اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ان افعال کو 'مباح' بھی کہتے ہیں اور باعث اجر و ثواب بھی سمجھتے ہیں۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ فقہائے احناف کے نزدیک واجب اور مندوب کی طرح مباح بھی 'حسن' کی ایک قسم ہے۔ اور 'حسن' سے مراد بعض اوقات ایسے افعال بھی ہوتے ہیں جو کسی اخروی اجر و ثواب کے وعدے کے بغیر بھی کسی اور پہلو سے 'حسن' ہوتے ہیں۔ علامہ ابن الھمامؒ اور ابن امیر الحاج الحنفیؒ لکھتے ہیں:

''سُنّت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ سُنّت الھدیٰ جس کو قائم کرنا تکمیل دین کے لیے ہوتا ہے اور اس کے بلا عذر تارک' جبکہ وہ اس کے ترک پر مصر بھی ہو' کو گمراہ قرار دیا جائے گا اور وہ قابل مذمت ہوگا۔ جیسا کہ فرض نمازوں کے لیے اذان کی مثال ہے...... اور سُنّت کی دوسری قسم سُنّت الزائدۃ ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا کھانا' بیٹھا اور لباس پہننا۔ فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ سنن الزوائد کو اختیار کرنا 'حسن' ہے اور ان کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے' یعنی ان کو چھوڑنا ناپسندیدہ یا برا نہیں ہے''۔(۱۸)

یہ وہی انداز ہے جو ہم نے عمامے کی بحث میں اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ہم سے یہ سوال کرے کہ عمامہ باندھنا چاہیے یا نہیں' تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ باندھنا چاہیے' لیکن اس کا باندھنا دین کا موضوع نہیں ہے کہ جس کے چھوڑنے کو ناپسندیدگی یا بری نظروں سے دیکھا جائے۔ ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

''کیا مباح 'حسن' ہے یا نہیں' تو اس مسئلے میں راجح مسلک تفصیل ہے۔ اور وہ یہ کہ مباح اس اعتبار سے تو 'حسن' ہے کہ اس کے فاعل کو اس کے کرنے کی اجازت ہے یا اس اعتبار سے بھی 'حسن' ہو سکتا ہے کہ اس کی اپنے مقصود سے موافقت ہے۔ لیکن مباح اس اعتبار سے بالکل بھی 'حسن' نہیں ہے کہ اس کا فاعل قابل تعریف ہو''۔(۱۹)

☆ آخری نکتہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعض وہ جبلی افعال جو قرآن کی کسی ایسی نص کا بیان بن رہے ہوں جس کا اصل حکم وجوب یا استحباب کے درجے میں ہو تو پھر یہ جبلی افعال کم از کم مستحب ضرور ہوں گے اور ان کی اتباع باعث اجر وثواب ہوگی۔ امام ابوبکر جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

''اور اللہ کے رسول ﷺ کے ایسے افعال جو ہر شخص کو پیش آتے ہیں اور کوئی بھی عادتاً ان سے مستغنی نہیں ہوسکتا ہے' مثلاً کھانا' پینا' کھڑا ہونا' بیٹھنا اور سونا وغیرہ جیسا کہ آپؐ کے بارے میں مروی ہے کہ جب آپؐ اپنے گھر میں ہوتے تو اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے۔ آپؐ کے ایسے افعال وجوب کے درجے کے نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آپؐ ان افعال سے علیحدہ نہیں رہ سکتے تھے اور ان افعال کو کرنے کی حاجت ہر کسی کو پیش آتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ہے کہ ان افعال میں ہر کسی کے لیے آپؐ کی اقتداء ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ ان افعال کا ہر حال میں کرنا محال ہے۔ جوتے کو گانٹھ لینے اور کپڑے کو سی لینے کے عمل کے ظاہری فعل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے ان افعال کو ہمارے حق میں واجب کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا۔ یہ بھی امکان ہے کہ آپؐ سے اس قسم کے افعال تقرب الی اللہ کی نیت سے وارد ہوئے ہوں کیونکہ ان افعال کو کرتے وقت آپؐ نے تواضع' ترکِ تکبر' گھر والوں کے ساتھ مساوات کا ارادہ کیا تاکہ اس پر اللہ کی طرف سے اجر وثواب ہو اور آپؐ کی امت بھی آپؐ کی اس مسئلے میں اقتداء کرے''۔[۲۰]

اس بحث کو آئندہ صفحات میں امام جصاصؒ کے حوالے سے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

تیسری قسم: یہ قسم سہو وجبلی افعال کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ارادی افعال پر مشتمل ہے۔ آپؐ کے ارادی افعال کی بھی فقہائے احناف نے دو قسمیں بنائی ہیں۔ پہلی قسم آپؐ کے ان افعال پر مشتمل ہے جن کی صفت اللہ کے رسول ﷺ کے حق میں واضح ہو یعنی ان افعال کا آپؐ کے حق میں فرض' واجب' مستحب یا مباح ہونا معلوم ہو۔ امام سرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

وكان أبو الحسن الكرخي رحمه الله يقول: إن علم صفة فعله أنه فعله واجبا أو ندبا أو مباحا فإنه يتبع فيه بتلك الصفة[۲۱]

''ابوالحسن کرخیؒ فرماتے تھے کہ اگر آپؐ کے کسی فعل کی صفت معلوم ہو جائے کہ آپؐ نے اس کو واجب' مندوب یا مباح سمجھ کر کیا ہے تو آپؐ کی اس فعل میں پیروی اسی صفت (یعنی وجوب' ندب یا اباحت) کے ساتھ کی جائے گی''۔

علامہ علاؤ الدین بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں:

ثم بعد ذلك إما أن علمت صفة ذلك الفعل في حقه عليه السلام أو لم تعلم' فإن علمت فالجمهور على أن أمته مثله...... وذهب شرذمة إلى أن حكم ما علمت صفته كحكم مالم تعلم صفته هكذا ذكر بعض الأصوليين[۲۲]

''پھر اس کے بعد یا تو اس فعل کی صفت (یعنی اس کا واجب' مندوب یا مباح ہونا) آپؐ کے حق میں معلوم ہوگا یا نہیں۔ اگر تو آپؐ کے حق میں اس فعل کی صفت معلوم ہے تو جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ آپؐ کی امت بھی (اس فعل پر عمل کرنے میں) آپؐ کی مانند ہوگی......اور ایک چھوٹی جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپؐ کے جن افعال کی صفت معلوم ہو ان کا حکم بھی ان افعال جیسا ہی ہے جن کی صفت معلوم نہ ہو۔ بعض اصولیین نے اسی طرح اس کا ذکر کیا ہے''۔

و الاتباع:أن یفعل مثل فعله' و فی حکمه' فإذا فعله واجبا' فعلنا علی الوجوب' و إذا فعله ندبا' أو مباحا' فعلناه کذلك' لنکون قد وفینا الاتباع حقه...... فکان الاتباع و التأسی:أن نفعل مثل ما فعله' علی الوجه الذی فعله علیه(۲۳)

''اتباع سے مراد یہ ہے کہ کوئی امتی ویسا ہی کام کرے جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے اور اس کام کے حکم میں بھی آپؐ کی اتباع کرے۔ یعنی جب آپؐ نے ایک کام کو واجب سمجھ کر کیا ہے تو ہم بھی اس کو واجب سمجھ کر کریں اور اگر آپؐ نے کسی فعل کو مندوب یا مباح سمجھ کر کیا ہو تو ہم بھی اسے مندوب یا مباح سمجھ کر کریں' تاکہ ہم اتباع کا صحیح معنی میں حق ادا کرنے والے ہو جائیں......پس اتباع اور پیروی سے مراد ہے کہ ہم وہ کام کریں جو آپؐ نے کیا ہے اور اس ارادہ و نیت کے ساتھ کریں جس ارادہ و نیت سے آپؐ نے کیا ہے''۔

پس رسول اللہ ﷺ کے وہ افعال جن کی صفت آپؐ کے حق میں معلوم ہو' ان افعال کی پیروی و اتباع اسی صفت کے ساتھ جائز ہے۔ یعنی اگر واجب کو واجب' مندوب کو مندوب اور مباح کو مباح سمجھ کر کیا جائے۔

۞ امام ابوبکر جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) کی مذکورہ بالا عبارت میں ایک اہم نکتہ جو بیان ہوا ہے وہ متابعت یا اتباع کی تعریف ہے۔ امام صاحبؒ کے بقول آپؐ نے جس فعل کو مباح سمجھ کر ادا کیا تو امت کے لیے بھی یہ لازم ہے کہ اسے مباح سمجھ کر ادا کرے اور جس فعل کو آپؐ نے مستحب جانتے ہوئے ادا کیا تو امت بھی اس فعل کی ادائیگی کے وقت اس کے مستحب ہونے کا عقیدہ رکھے۔ اگر آپؐ نے کسی فعل کو مباح سمجھا اور امت نے اس کو مستحب بنا دیا یا آپؐ نے کسی فعل کو مستحب سمجھ کر ادا کیا اور امت نے اسے واجب بناتے ہوئے اس پر عمل شروع کر دیا تو یہ آپؐ کی اتباع یا متابعت تصور نہیں ہوگی۔ اس کا واضح معنی و مفہوم یہی ہے کہ اگر آپؐ نے کدو تقرب الی اللہ یا ثواب کی نیت سے نہیں کھائے بلکہ مباح سمجھ کر کھائے ہیں تو اگر کوئی امتی کدو کھانے کے فعل کو مستحب بنا لے اور اس کے کھانے کو باعث ثواب سمجھے تو اس نے ایک ایسے فعل کو مستحب بنا دیا جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک مباح تھا۔ اسی کو حضرت عمرؓ کی اتباع میں امام ابن تیمیہؒ نے 'مجموع الفتاویٰ' میں بدعت کا نام دیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ کسی امتی کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ وہ اس فعل کو مستحب (یعنی باعث اجر و ثواب) قرار دے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے فعل سے مباح قرار دیا ہے؟ فافهم و تأمل !

۞ دوسرا اہم نکتہ اس بحث میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے تمام افعال کو بھی علمائے احناف نے واجب یا مستحب قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان افعال میں بھی ایک قسم مباح ہے جس کے ارتکاب پر کسی امتی کے لیے اجر وثواب کا کوئی عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

''اللہ کے رسول ﷺ کے افعال جو آپؐ سے قصد و ارادے سے صادر ہوئے ہوں، تین قسم پر ہیں: واجب، مندوب اور مباح، سوائے ان افعال کے جن کے بارے میں کوئی دلیل ہو کہ وہ ان صغائر میں سے ہیں جن کی معافی ہو چکی ہے''۔(۲۴)

۞ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ امام جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) اور تقریباً تمام اصولیین نے رسول اللہ ﷺ کے ارادی افعال کی تین قسمیں بنائی ہیں اور فرض و واجب کو علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کیا جبکہ امام سرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) اور امام بزدویؒ (متوفی ۴۸۳ھ) نے فرض اور واجب کے فرق کو بیان کرتے ہوئے آپؐ کے ارادی افعال کی چار قسمیں بنائی ہیں۔ علامہ علاؤ الدین بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں:

ثم الشيخ و شمس الأئمة رحمهما الله قسما أفعاله عليه السلام سوى الزلة و ما ليس عن قصد على أربعة أقسام فرض و واجب و مستحب و مباح و القاضي الإمام و سائر الأصوليين قسموها على ثلا ثة أقسام واجب، مستحب ومباح(۲۵)

''پھر امام بزدویؒ اور امام سرخسیؒ نے اللہ کے رسول ﷺ کے ان افعال کے علاوہ جو کہ بھول چوک میں سے ہیں یا قصداً نہیں ہیں، باقی افعال کو چار قسموں فرض، واجب، مستحب اور مباح میں تقسیم کیا ہے، جبکہ امام ابوبکر جصاصؒ اور باقی اصولیین نے ان کو واجب، مستحب اور مباح میں تقسیم کیا ہے''۔

چوتھی قسم: یہ قسم رسول اللہ ﷺ کے ان ارادی افعال پر مشتمل ہے جن کی صفت یعنی ان کا فرض، واجب، سنّت یا مباح ہونا واضح نہ ہو، نہ آپؐ کے حق میں اور نہ ہی امت کے حق میں۔ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

وكان أبو الحسن الكرخي رحمه الله يقول: إن علم صفة فعله أنه فعله واجبا أو ندبا أو مباحا فإنه يتبع فيه بتلك الصفة، وإن لم يعلم فإنه يثبت فيه صفة الإباحة، ثم لا يكون الاتباع فيه ثابتا إلا بقيام الدليل وكان الجصاص رحمه الله يقول بقول الكرخي رحمه الله إلا أنه يقول: إذا لم يعلم فالاتباع له في ذلك ثابت حتى يقوم الدليل على كونه مخصوصا وهذا هو الصحيح.(۲۶)

''اور امام ابوالحسن کرخیؒ فرماتے تھے کہ اگر آپ ﷺ کے فعل کی صفت معلوم ہو کہ وہ واجب ہے یا مندوب یا مباح، تو اس فعل میں آپؐ کی اتباع اسی صفت کے ساتھ ہو گی اور اگر اس فعل کی صفت آپؐ کے حق میں معلوم نہ ہو تو آپؐ کا وہ فعل مباح متصور ہو گا اور اس فعل میں (امت کے لیے) آپؐ کی اتباع اسی وقت ثابت ہو گی جبکہ اس کی کوئی دلیل ہو۔ امام جصاصؒ کا بھی وہی موقف ہے جو کہ امام کرخیؒ کا ہے (یعنی آپؐ کے جن افعال کی صفت معلوم نہ ہو وہ مباح افعال متصور ہوں گے)

لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر آپؐ کے کسی فعل کی صفت معلوم نہ ہو (تو وہ مباح تو ہوگا) لیکن اس میں آپؐ کی اتباع ثابت ہے الا یہ کہ اس فعل کے آپؐ کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل ہو''۔

علامہ علاؤ الدین بخاریؒ (متوفی ۷۳۰ھ) لکھتے ہیں:

''اگر آپؐ کے کسی فعل کی صفت معلوم نہ ہو (کہ وہ واجب ہے یا مندوب یا مباح) اور اس فعل کا تعلق معاملات سے ہو تو بالاجماع وہ فعل مباح ہے۔ ابو الیسرؒ نے اسی طرح کہا ہے۔ اور اگر وہ فعل (جس کی صفت معلوم نہ ہو) عبادات سے متعلق ہو تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ آپؐ کے ایسے افعال کے بارے میں توقف کیا جائے گا اور ان پر وجوب' ندب یا اباحت میں سے کوئی بھی حکم نہ لگایا جائے گا اور ہمارے لیے آپؐ کے ایسے افعال میں اتباع اس وقت تک ثابت نہ ہوگی جب تک کہ کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو اس فعل کے وصف (یعنی وجوب' ندب یا اباحت) کو ظاہر کر دے اور امت کی اس فعل میں آپؐ کے ساتھ شرکت کو بھی ثابت کرے۔ عام اشاعرہ اور شوافع کی ایک جماعت امام غزالی' ابوبکر دقاق اور ابو القاسم بن کج رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ جبکہ علماء کی ایک دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے لیے آپ ﷺ کے ایسے افعال میں آپؐ کی اتباع واجب ہے اور ان افعال کا کرنا آپؐ پر بھی واجب ہے اور امت پر بھی۔ یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے اور شوافع میں سے ابو العباس' اصطخری' ابن ابی ہریرۃ اور ابن خیران رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ حنابلہ اور معتزلہ کی ایک جماعت نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے''۔ (۲۷)

امام جصاصؒ (متوفی ۳۷۰ھ) احناف کے اس موقف کے دلائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر یہ کہا جائے کہ اگر تم نے نبی ﷺ کے ایسے فعل (کہ جس کی صفت وجوب' ندب یا اباحت معلوم نہ ہو) کو مباح سمجھ کر عمل کر لیا تو تم اس اندیشے سے بے خوف نہیں ہو سکتے کہ نبی ﷺ نے اس فعل کو مندوب یا واجب سمجھ کر کیا ہو اور تم نے نبی ﷺ کی مخالفت کی ہو۔ ایسے شخص کو یہ جواب دیا جائے گا: اگر آپؐ نے اس فعل (کہ جس کی صفت معلوم نہ ہو) کو مندوب یا واجب سمجھ کر کیا ہوتا تو آپؐ اپنے اس فعل کی اس صفت کو ضرور بیان کرتے' کیونکہ ہم اس کے محتاج ہیں۔ پس جب آپؐ نے اپنے کسی فعل کی صفت واضح نہیں کی تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ آپؐ نے ہمیں یہ فعل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور آپؐ کا یہ فعل ہمارے حق میں مباح ہے۔ پس اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ آپؐ نے اگر اس فعل (کہ جس کی صفت واضح نہیں ہے) کو مباح سمجھ کر کیا تھا تو آپؐ اس کی اباحت کو ہی واضح کر دیتے (لیکن آپؐ نے اس کی اباحت کو واضح نہیں کیا) پس جس طرح آپؐ کے لیے یہ جائز تھا کہ آپؐ ایک مباح کام کریں اور اس کی اباحت کو بیان نہ کریں تو اسی طرح آپؐ کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ آپؐ کسی کام کو مندوب یا واجب سمجھ کر کریں اور اس کے ندب یا وجوب کو بیان نہ کریں۔ ہم اس کو شخص کو یہ جواب دیں گے: یہ لازم نہیں ہے کہ ایسا ہی ہو۔ آپؐ کے لیے یہ تو جائز تھا کہ آپؐ تمام کے تمام مباحات کو بیان نہ کریں جبکہ ہمارے دین میں تمام مباحات سے

واقفیت ضروری نہیں ہے‘ کیونکہ مباحات کے ارتکاب پر نہ تو کوئی ثواب ہے اور نہ ہی ان کے انکار پر کوئی سزا ہے۔ جہاں تک مندوب و واجب کا تعلق ہے تو اس کے بیان کو ترک کرنا آپؐ کے لیے جائز نہیں تھا کیونکہ ہم مندوب و واجب کی معرفت کے محتاج ہیں تاکہ مندوب کے کرنے سے ثواب ہو اور واجب کو ترک کرنے سے ہم محرمات میں نہ جا پڑیں‘‘۔(۲۸)

☆ جیسا کہ امام جصاصؒ نے بیان کیا ہے‘ ایک اہم نکتہ اس بحث میں یہ ہے کہ آپؐ کے اس قسم کے تمام افعال کو بھی علمائے احناف نے واجب یا مستحب قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان افعال میں بھی ایک قسم ’مباح‘ ہے کہ جس کے ارتکاب پر کسی امتی کے لیے اجر و ثواب کا کوئی عقیدہ رکھنا درست نہیں ہے۔

☆ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ قرآن کی وہ عمومی آیات کہ جن میں اللہ کے رسول ﷺ کی مطلق اتباع کا تذکرہ ہے‘ ان سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید آپؐ کی یہ اتباع آپؐ کے ہر ہر فعل میں امت کے حق میں واجب یا فرض ہے۔ امام سرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

ففی قوله: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ دليل على أن التأسي به في أفعاله ليس بواجب‘ لأنه لو كان واجبا لكان من حق الكلام أن يقول عليكم‘ ففي قوله ”لكم“ دليل على أن ذلك مباح لنا لا أن يكون لازما علينا والأمر بالاتباع التصديق و الاقرار بما جاء به‘ فإن الخطاب بذلك لأهل الكتاب وذلك بين في سياق الآية(۲۹)

’’اللہ کے اس قول ’’البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے‘‘ میں اس بات پر دلیل ہے کہ آپؐ کے افعال میں آپ کی پیروی واجب نہیں ہے‘ کیونکہ اگر آپؐ کے افعال میں آپؐ کی پیروی واجب ہوتی تو پھر آیت مبارکہ میں ’لکم‘ کی بجائے ’علیکم‘ کے الفاظ ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ کے الفاظ ’لکم‘ میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کے افعال کی اتباع امت کے حق میں مباح ہے نہ کہ لازم۔ اور ’فَاتَّبِعُوْنِیْ‘ میں اتباع سے مراد اللہ کے رسول ﷺ جس کو لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق و اقرار کرنا ہے (یعنی اتباع سے مراد آپؐ کی باتوں پر ایمان لانا ہے) کیونکہ آیت کے سیاق میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ ان آیات میں اصل خطاب اہل کتاب سے ہے‘‘۔

پانچویں قسم: فقہائے حنفیہ کے نزدیک پانچویں قسم آپ ﷺ کے ان افعال پر مشتمل ہے جو قرآن کی کسی نص کا بیان ہوں۔ آپؐ کے ان افعال کا وہی حکم ہوگا جو کہ اصل یعنی مبیَّن کا ہوگا۔ امام جصاص فرماتے ہیں:

’’آپ ﷺ کا فعل کسی مجمل نص کا بیان بن رہا ہو اور اس مجمل نص کا حکم وجوب‘ ندب یا اباحت کا ہو تو جو حکم اس مجمل نص کا ہوگا وہی حکم آپؐ کے فعل کا بھی ہوگا۔ اگر اس مجمل نص کا حکم وجوب کا ہے تو

اس نص کے بیان میں جو آپؐ کا فعل ہوگا وہ بھی واجب ہوگا۔ اور اگر وہ مجمل نص مندوب کے درجے میں ہو تو اس کے بیان میں آپؐ کا فعل بھی مندوب ہوگا اور اگر وہ مجمل نص مباح کا درجہ رکھتی ہو تو اس کے بیان میں آپؐ کا فعل بھی مباح ہوگا...... چنانچہ جب آپؐ کا فعل کسی مجمل نص کا بیان بن رہا ہو اور وہ واجب کے درجے میں ہو تو اس کی مثال فرض نمازوں کی رکعات ہیں جو کہ قرآن کی مجمل نص ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کا بیان ہیں۔ اسی طرح حج میں آپ ﷺ کے افعال ﴿وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ﴾ کی مجمل نص کا بیان ہیں۔ اسی طرح ایک ایسی مجمل نص جو کہ مندوب کے حکم میں ہو اس کے بیان کی مثال ﴿وَافْعَلُوا الْخَیْرَ﴾ اور ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾ ہے' کیونکہ تمام قسم کی بھلائیوں پر عمل واجب نہیں ہے اور اسی طرح تمام قسم کے احسانات جو کہ آپؐ نے کیے ہیں وہ بھی واجب نہیں ہیں' جیسا کہ نفلی صدقات اور نفلی نماز وغیرہ''۔ (۳۰)

امام جصاصؒ نے اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ اگر کسی مجمل نص کا حکم وجوب کا ہے تو یہ لازم نہیں ہے کہ اس نص کے بیان میں آپ ﷺ کے ہر ہر فعل کا حکم بھی وجوب کا ہی ہو' یعنی اس نص کے بیان میں بعض افعال کا حکم تو وجوب کا ہی ہوگا لیکن بعض افعال مندوب یا مباح بھی ہوں گے۔ جیسا ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ کا مجمل حکم تو وجوب کا ہے لیکن آپؐ نے اس کے بیان میں جو بھی افعال مثلاً رکوع' سجدہ' قومہ' جلسہ استراحت' تکبیرات' تسبیحات' قعدہ و تشہد وغیرہ کیے ہیں وہ سب واجب نہیں ہیں۔ یعنی نماز کے تمام افعال وجوب کا درجہ نہیں رکھتے ہیں۔

☆ مذکورہ بالا بحث میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ کسی مجمل نص کے بیان میں رسول اللہ ﷺ کے بعض افعال اباحت کے درجے میں ہیں کہ ان کے ارتکاب پر ثواب کا عقیدہ نہیں رکھا جائے گا۔

☆ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ بعض اوقات آپ ﷺ کے جبلی افعال بھی قرآن کی ان نصوص کے بیان سے متعلق ہوتے ہیں کہ جن کا اصل حکم وجوب یا استحباب کے درجے کا ہوتا ہے' لہٰذا آپؐ کے یہ جبلی افعال کم از کم استحباب کا درجہ ضرور رکھتے ہیں۔

چھٹی قسم: چھٹی قسم آپ ﷺ کے ان افعال پر مشتمل ہے جو کہ آپؐ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں۔ آپؐ کے ان افعال میں بھی بالاتفاق اتباع نہیں ہے۔ علامہ علاؤ الدین بخاریؒ لکھتے ہیں:

''(اور آپ ﷺ کے افعال میں آپؐ کی اتباع کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے) کہ وہ فعل آپؐ کی ذات سے مخصوص نہ ہو' جیسا کہ چاشت اور تہجد کی نماز کا آپؐ کے حق میں واجب ہونا یا آپؐ کو چار سے زائد نکاح کی اجازت ہونا اور مال غنیمت کا کچھ حصہ اپنے لیے خاص کر لینا اور 'خمس' کا پانچواں حصہ وغیرہ۔ کیونکہ ان افعال میں آپؐ کے ساتھ امت کے شریک ہونے کی بالاتفاق کوئی دلیل نہیں ہے''۔ (۳۲)

سوال: برصغیر پاک و ہند میں حنفیہ کے علاوہ اہل الحدیث کی ایک بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ کسی اہل

حدیث عالم دین کی اس مسئلے میں اصولی گفتگو پر روشنی ڈالیں۔
جواب: شیخ صالح العثیمین کے شاگرد ڈاکٹر خالد بن علی المشیقح ، اصولِ فقہ پر ان کی منظوم کتاب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واعلم أن أفعال النبیﷺ تنقسم إلی ثلاثة أقسام: القسم الأول: ما فعله النبیﷺ علی وجه القربة و الطاعة...القسم الثانی: ما فعله النبیﷺ لا علی وجه القربة والطاعة وهذا تحته أقسام: القسم الأول: ما فعله النبیﷺ بمقتضی الجبلة و الطبیعة فهذا فی حد ذاته لا یتعلق به أمر ولا نهی فلا تقول للإنسان إنك تفعل كذا أو لا تفعل كذا...الخ. مثال ذلك: نوم النبیﷺ و أكله و شربه ونكاحه...إلخ. لكن هیئات مثل هذه الأشیاء قد یتعلق بها أمر أونهی فالأكل قد یتعلق به أمر وقد یتعلق به نهی كالأكل بالیمین، و الشرب بالیمین، والتسمیة، والحمدلة، ولا یأكل مایضره...إلخ. وكذلك النوم فانه ینام علی طهارة، و علی جنبه الأیمن، ویذكر أذكار النوم...إلخ. وأما ذات النوم، وذات الأكل والشرب...إلخ. فهذه الأشیاء فعلها النبیﷺ جبلة فلا یتعلق بها أمر أو نهی۔القسم الثانی: ما فعله النبیﷺ علی وجة العادة فهذا أیضا مباح: مثل كیفیة الأكل، والشرب و اللباس هذه من قبیل العادات لكن الشارع قد یأمر ببعض الكیفیات و ینهی عن بعض، مثل أن یأكل كذا، أو یشرب كذا، أو یأكل علی هذه الهیئة أو ینام علی هذه الهیئة...إلخ. ما فعله النبیﷺ علی سبیل العادة هذا لا نقول بأن الإنسان مأمور أن یتابع النبیﷺ فی هذه الأشیاء فإنه لا یتعلق بها أمر أو نهی، بل السنة للإنسان أن یفعل العادة فی المكان والزمان الذی هو فیه ما لم یخالف الشرع. یعنی یوافق أهل بلده فی عادتهم۔مثال ذلك: النبی ﷺ لبس العمامة لكن عادة الناس فی مثل هذا البلد أنهم یلبسون عمامة، والسنة أن الإنسان یوافق الزمان والمكان الذی هو موجود فیه كلبس الشماغ أو الغترة...إلخ فیوافقهم فی ذلك ما لم یخالف الشرع، لأنه لو خالف الناس لأصبح لباسه لباس شهره۔وأیضا: النبیﷺ ركب الخیل والحمار والناس الآن فی هذا البلد لا یركبون لخیل و الحمار...إلخ فهل نقول بأنك توافق النبیﷺ فی عادته، أو نقول له اركب السیارة مثل فعل الناس؟ والسنة أن یترك مثل هذه الأشیاء و یفعل ما یفعله الناس، لأن كونه یوافق الناس هذه یبعده عن الشهرة و كونه یركب الخیل ویقول أرید أن أقتدی بالنبیﷺ نقول: هذا من قبیل العادات و النبیﷺ فعل

مایوافق أهل بلده و زمانه و أنت السنة أن توافق زمانك و مکانك(۳۳)

’’جان لو! اللہ کے رسول ﷺ کے افعال تین قسم پر ہیں۔ پہلی قسم ان افعال کی ہے جن کو آپؐ نے اللہ کی عبادت واطاعت کے لیے کیا... دوسری قسم ان افعال کی ہے کہ جن کو آپؐ نے اللہ کی عبادت و اطاعت کے پہلو سے نہیں کیا۔ اس دوسری قسم کی پھر کئی ایک اقسام ہیں۔ پہلی قسم تو وہ افعال ہیں جن کا جبلت اور طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ پس اس قسم کے افعال کے ساتھ کوئی امر یا نہی لاحق نہیں ہوتی۔ پس آپ کسی بھی شخص کو اس قسم کے افعال میں یہ نہیں کہیں گے کہ تم ایسا کرو یا تم ایسا نہ کرو۔ اس کی مثال اللہ کے رسول ﷺ کا سونا' کھانا' پینا اور نکاح کرنا وغیرہ ہے۔ یہ واضح رہے کہ ان افعال کی بعض ہیئات ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے ساتھ کوئی نہ کوئی امر یا نہی لاحق ہوتی ہے۔ پس کھانے کے فعل کے ساتھ بعض اوقات کوئی امر متعلق ہوتا ہے اور بعض اوقات کوئی نہی لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً دائیں ہاتھ سے کھانا' دائیں ہاتھ سے پینا' کھانے' پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا' کھانے پینے کے بعد الحمد للہ کہنا' ایسی چیز نہ کھانا جو کہ مضرت رساں ہو (لہٰذا ان صفات کے ساتھ کھانا' پینا مستحب ہے)۔ اسی طرح سونے کے فعل میں یہ مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ باوضو اور دائیں پہلو پر سوتے تھے (لہٰذا اس طرح سے سونا مستحب اور باعث اجر وثواب ہے)۔ اور سونے سے پہلے ذکر اذکار کرتے تھے۔ جہاں تک مجرد سونے یا کھانے کے فعل کا تعلق ہے تو آپ ﷺ نے یہ افعال جبلی تقاضے کے تحت کیے تھے لہٰذا ان کے ساتھ کوئی امر یا نہی متعلق نہیں ہے۔ دوسری قسم ان افعال کی ہے جن کو آپؐ نے عادتاً (رواج کے تحت) کیا ہو۔ یہ افعال بھی مباح ہیں۔ مثلاً کھانے' پینے اور لباس کی کیفیات وغیرہ عادات کی قبیل سے ہیں۔ لیکن بعض اوقات شارع بعض افعال میں بعض کیفیات کے اختیار کا حکم دیتے ہیں اور بعض کیفیات سے منع کرتے ہیں' مثلاً یہ کہ اس طرح سے کھائے یا اس طرح سے پیے یا اس ہیئت کے ساتھ کھائے یا اس ہیئت کے ساتھ سوئے۔ پس آپؐ نے جو کام عادتاً کیے ہیں تو ان افعال کے بارے میں ہم یہ نہیں کہتے کہ انسان کو یہ لازمی حکم ہے کہ ان افعال میں آپؐ کی پیروی کرے کیونکہ ان افعال کے ساتھ کوئی امر یا نہی لاحق نہیں ہے۔ بلکہ اصل سُنّت تو یہ ہے کہ انسان عادی امور میں اپنے علاقے اور زمانے کے رسم ورواج کے مطابق عمل کرے جب تک کہ وہ رسم ورواج شریعت کے خلاف نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ملکی رواج کی پیروی کرے۔ اس کی مثال اللہ کے نبی ﷺ کا عمامہ پہننا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کے ملک میں لوگوں کا عرف یہ ہے کہ وہ عمامہ نہیں پہنتے تو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے اور علاقے کے لوگوں کی موافقت کرے (اور عمامہ پہننے کی بجائے اپنے علاقے کے رواج کے مطابق لباس مثلاً) سعودی رومال وغیرہ پہنے۔ پس انسان اپنے علاقے کے لوگوں کی موافقت اس وقت تک کرے گا جب تک شرع کی مخالفت نہ ہو کیونکہ اگر وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے لباس کی مخالفت کرے گا تو اس کا لباس شہرت کا لباس بن جائے گا۔ اسی طرح آپؐ نے گدھے اور گھوڑے کی سواری کی جبکہ آج ان

علاقوں میں گھوڑوں اور گدھوں کی سواری نہیں ہوتی۔ پس کیا ہم کسی شخص سے یہ کہیں کہ تم آج بھی اللہ کے رسول ﷺ کی موافقت واتباع میں گھوڑے یا گدھے کی سواری کرو یا ہم لوگوں سے یہ کہیں کہ آپ اور لوگوں کی طرح گاڑی وغیرہ کی سواری کریں کیونکہ اس مسئلے میں اپنے علاقے کے لوگوں کی موافقت اس شخص کو شہرت سے دور رکھے گی۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں گھوڑے پر آج اس لیے سفر کرتا ہوں تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کروں تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ آپ ﷺ نے اپنے فعل کے ذریعے اپنے زمانے اور علاقے کے لوگوں کی موافقت کی (یعنی آپؐ نے وہ سواری سفر کے لیے اختیار کی جو کہ آپؐ کے علاقے و زمانے میں رائج تھی مثلاً اونٹ' گھوڑا اور گدھا وغیرہ) اور تمہارے لیے سُنّت یہ ہے کہ تم بھی اپنے فعل میں اپنے زمانے اور علاقے کے لوگوں کی موافقت کرو۔ (یعنی سفر کے لیے وہی سواری اختیار کریں جو ان کے علاقے اور زمانے کی سواری ہے' پس اصل سُنّت اہل زمان و مکان کی موافقت ہوئی نہ کہ آپ ﷺ کے ظاہری فعل کی پیروی)''۔

سوال: کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کا سونا' اٹھنا بیٹھنا' کھانا اور پینا وغیرہ مباح افعال ہیں اور اس کے ثبوت میں علماء کے اقوال نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں اور کبھی آپ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا کھانا' پینا' سونا وغیرہ سے متعلق بہت سے ایسے احکامات ہیں جو استحباب یا وجوب کا درجہ رکھتے ہیں اور اس کے حق میں علماء کے فتاویٰ نقل کرتے ہیں۔ ذرا تفصیل سے اپنے موقف کو واضح کریں' آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟

جواب: ہماری ساری بحث کو اب ایک سادہ سی مثال کے ذریعے سمجھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا سونا جبلی تقاضے کے تحت تھا لہٰذا مجرد سونا ایک مباح امر ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص یہ سوچ کر سوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی تو سوئے تھے تو اس کا یہ سونے کا فعل باعث اجر و ثواب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اس طریقے سے سوتا ہے جس طریقے سے سونے کی آپؐ نے تعلیم دی ہے تو اب اس سونے کے فعل میں اس کو اجر ملے گا۔ سونے کے عمل کے بارے میں نبی ﷺ کی بعض تعلیمات مروی ہیں' جن میں بعض استحباب کا درجہ رکھتی ہیں' جبکہ بعض اسباب کے تحت ہیں اور بعض مباح ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سونے کے عمل کی درج ذیل سُنّتیں ہیں' یعنی اگر کوئی شخص سونے کے عمل سے پہلے درج ذیل اعمال کرے گا تو یہ اعمال اس کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہوں گے' کیونکہ روایات سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سونے کے عمل سے پہلے تقرب الی اللہ کی نیت سے خود سے ان اعمال کو کیا یا ان کے کرنے کی تلقین کی۔

۱۔ رات سونے سے پہلے 'اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا' پڑھنا۔(۳۴)

۲۔ رات سونے سے پہلے دونوں ہاتھوں میں پھونک ماریں اور آخری تین سورتیں پڑھ کر جہاں تک ممکن ہو لیٹے لیٹے سر' چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیریں اور اس عمل کو تین مرتبہ دہرائیں۔(۳۵)

۳۔ رات سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھنا۔(۳۶)

۴۔ سونے سے پہلے 'بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا

وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ' پڑھنا۔(۳۷)

۵۔ سونے سے پہلے 'اَللّٰهُمَّ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَاَنْتَ تَوَفَّاهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا ، اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْلَهَا ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ الْعَافِيَةَ' پڑھنا۔(۳۸)

۶۔ سونے سے پہلے 'اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ' پڑھنا۔(۳۹)

۷۔ سونے سے پہلے ۳۳ مرتبہ الحمدللہ' ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنا۔(۴۰)

۸۔ سونے سے پہلے 'اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِيَ' پڑھنا۔(۴۱)

۹۔ سونے سے پہلے 'اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطٰنِ وَشِرْكِهٖ وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْءًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ' پڑھنا۔(۴۲)

۱۰۔ سونے سے پہلے 'اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيَ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ' پڑھنا۔(۴۳)

۱۱۔ سونے سے پہلے 'اَللّٰهُمَ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ' پڑھنا۔(۴۴)

۱۲۔ سونے سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیات کا پڑھنا۔(۴۵)

۱۳۔ سونے سے پہلے سورۃ الکافرون پڑھنا۔(۴۶)

۱۴۔ سونے سے پہلے سورۃ الملک پڑھنا۔(۴۷)

۱۵۔ سونے سے پہلے سورۃ الم سجدۃ پڑھنا۔(۴۸)

۱۶۔ باوضو ہو کر سونا۔(۴۹)

۱۷۔ دائیں پہلو پر لیٹنا۔(۵۰)

۱۸۔ دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھنا۔(۵۱)

۱۹۔ آپ ﷺ نے سونے سے پہلے بستر جھاڑنے کا حکم دیا۔(۵۲)

۲۰۔ سونے سے پہلے کھانے پینے کی چیزوں اور برتنوں کو ڈھانپنے کا بھی حکم دیا گیا۔(۵۳)

یہ بیس سنن ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں احادیث و روایات ہی میں ایسے قرائن و دلائل موجود ہیں جو اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ سنن شرعیہ ہیں۔ یعنی ان افعال میں آپ ﷺ کی پیروی و اتباع مطلوب اور باعث اجر و ثواب ہے۔

ان کے علاوہ جب بعض ایسی روایات پر غور کرتے ہیں کہ جن کا تعلق سونے کے آداب کے ساتھ ہے تو مختلف قرائن یہ واضح کرتے ہیں کہ یہ آداب سننِ شرعیہ میں سے نہیں ہیں۔ مثلاً ایک صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ نے رات کو چراغ جلا کے سونے سے منع فرمایا۔ اب آپؐ کا یہ حکم کسی سبب کے تحت تھا' جیسا کہ بعض دوسری روایات میں آتا ہے کہ مدینہ میں رات کے وقت ایک گھر میں آگ لگ گئی اور آپؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے کہا: ''رات کو سونے سے پہلے چراغ بجھا دیا کرو''۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ رات کو سونے سے پہلے چراغ اس لیے بجھا دیا کرو کہ کوئی چوہیا وغیرہ اس کی آگ سے کھیل کر پورے گھر کو آگ لگانے کا باعث نہ بن جائے۔ پس اگر کوئی شخص اس روایت سے یہ حکم نکالے کہ رات کو سوتے وقت لائٹ جلانا جائز نہیں ہے یا لائٹ آف کر کے ہی سونا مستحب و پسندیدہ ہے تو ہمارے خیال میں یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے رات کو لائٹ آن کر کے سوتا ہے تو سُنّت کی مخالفت نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح سونا ایک مباح امر ہے اور دن و رات کے کسی بھی وقت میں انسان سو سکتا ہے بشرطیکہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو رہی ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص کی ملازمت کی صورت ایسی ہے کہ وہ رات کو جاگتا ہے اور دن کو سوتا ہے مثلاً چوکیدار وغیرہ تو یہ سُنّت کی خلاف ورزی نہیں کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی رات کو دیر تک جاگتا رہے اور اپنی نیند پوری کرنے کے لیے فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد سو جائے تو یہ بھی سُنّت کی خلاف ورزی نہیں ہے' کیونکہ کوئی ایسی صحیح روایت مروی نہیں ہے کہ جس میں صبح کی نماز کے بعد سونے سے منع کیا گیا ہو۔ ہاں ایسی روایت ضرور موجود ہے جس میں عشاء کی نماز سے پہلے سونے سے منع کیا گیا ہے' لیکن اس کا سبب بھی یہ ہے کہ رات کی نماز ضائع نہ ہو جائے' کیونکہ بعض دوسری صحیح روایات میں موجود ہے کہ آپ ﷺ بعض اوقات عشاء کی نماز کے لیے اپنے حجرے سے رات گئے نکلتے تھے اور صحابہؓ اس دوران نماز کے انتظار میں مسجد میں سو رہے ہوتے تھے۔ پس اگر نماز کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو ضرورت کے تحت عشاء سے پہلے سونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح زمین پر یا کسی چارپائی و پلنگ وغیرہ پر سونا یا نہ سونا بھی کوئی دین کا موضوع نہیں ہے۔ انسان جہاں چاہے سو جائے۔

پس ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعض افعال تو واقعتاً ایسے ہیں جو سنن شرعیہ کا درجہ رکھتے ہیں' اور ایسے اعمال بلاشبہ ۲۴ گھنٹوں میں ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں' جیسا کہ ہم نے ایک سونے کے عمل کے بارے میں ۲۰ سنن نقل کر دی ہیں' لیکن آپؐ کے بعض اعمال و افعال ایسے ہیں جو سنن شرعیہ کا درجہ نہیں رکھتے' بلکہ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں جو حکم لگایا جا سکتا ہے وہ اباحت یا

جواز کا ہے۔ پس آپؐ کے ایسے افعال جو اباحت کے درجے میں ہیں‘ کی ترغیب وتشویق کی بجائے ہمیں عامۃ الناس کو فرائض کی ادائیگی‘ محرمات سے اجتناب اور ایسی سنن کی پابندی کی تلقین کرتے رہنا چاہیے جن کے استحباب کے بارے میں واضح قرائن موجود ہیں۔ عامۃ الناس کی اکثریت تو ایسی ہے جو فرائض کو ادا نہیں کر رہی اور محرمات سے اجتناب نہیں کرتی‘ ان کو عمامے یا تہبند کی ترغیب وتشویق دلانا دعوتِ دین کی حکمت کے بھی منافی ہے۔ جتنا وقت ہم لوگوں کو عمامے اور تہبند کی تلقین میں صرف کرتے ہیں اگر وہی وقت ہم لوگوں کو فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کرنے کی موعظت ونصیحت میں کھپائیں تو یہ اس وقت کا صحیح وزیادہ قیمتی مصرف ہوگا‘ کیونکہ ابھی ہم یہ دعویٰ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ہمارے معاشرے کے تمام مسلمان تمام فرائض دینیہ کو ادا کرنے یا محرمات سے اجتناب کرنے والے بن گئے ہیں۔

حواشی

(۱) تفسیر اللباب فی علوم الکتاب‘ آل عمران:۱۳۷۔

(۲) التقریر و التحبیر : الباب الثالث السنۃ۔ (۳) البحر المحیط : مباحث السنۃ۔

(٤) الموافقات‘ ج۲‘ جزء٤‘ ص ۷۔ (۵) مجموع الفتاویٰ‘ جلد۱۸‘ ص ٦‘ ۷۔

(٦) ارشاد الفحول‘ المقصد الثانی فی السنۃ۔

(۷) الفصول فی الاصول : باب القول فی افعال النبیﷺ۔

(۸) کشف الاسرار‘ باب اقسام العزیمۃ۔ (۹) اصول البزدوی‘ باب افعال النبیﷺ۔

(۱۰) اصول السرخسی‘ باب الکلام فی افعال النبیﷺ۔

(۱۱) کشف الاسرار شرح اصول البزدوی‘ باب افعال النبیﷺ۔

(۱۲) کشف الاسرار‘ باب اقسام العزیمۃ۔

(۱۳) المستصفی: القطب الاول فی الثمرۃ وھی الحکم‘ مسالۃ الجائز لا یتضمن الامر والمباح۔

(۱٤) کشف الاسرار شرح اصول البزدوی‘ باب افعال النبیﷺ۔

(۱۵) التقریر والتحبیر: المقالۃ الثانیۃ فی احوال الموضوع‘ مسألۃ الاتفاق فی افعالہ الجبلیۃ الصادرۃ بمقتضی طبعیتہ۔

(۱٦) کشف الاسرار‘ باب اقسام العزیمۃ۔

(۱۷) الفصول فی الاصول‘ باب القول فی سنن رسول اللہﷺ۔

(۱۸) التقریر والتحبیر: المقالۃ الثانیۃ فی احوال الموضوع‘ تقسیم الحنفیۃ الحکم اما رخصۃ او عزیمۃ۔

(۱۹) اصول الفقہ الاسلامی‘ ج۱‘ ص۹۰۔

(۲۰) الفصول فی الاصول‘ باب القول فیما یستدل بہ علی احکام افعالہ علیہ السلام۔

(۲۱) اصول السرخسی‘ باب افعال الرسول.

(۲۲) کشف الاسرار‘ باب افعال النبیﷺ۔

(۲۳) الفصول فی الاصول‘ باب القول فی افعال النبیﷺ۔

(٢٤) الفصول فی الاصول' باب القول فی افعال النبیﷺ۔
(٢٥) کشف الاسرار' باب افعال النبیﷺ۔
(٢٦) اصول السرخسی' باب الکلام فی افعال النبیﷺ۔
(٢٧) کشف الاسرار' باب افعال النبیﷺ۔
(٢٨) الفصول فی الاصول' باب القول فی افعال النبیﷺ۔
(٢٩) اصول السرخسی' باب الکلام فی افعال النبیﷺ۔
(٣٠) الفصول فی الاصول' باب القول فیما یستدل بہ علی احکام افعالہ علیہ السلام۔
(٣١) الفصول فی الاصول' باب القول فیما یستدل بہ علی احکام افعالہ علیہ السلام۔
(٣٢) کشف الاسرار' باب افعال النبیﷺ۔
(٣٣) العقد الثمین فی شرح منظومۃ الشیخ ابن العثیمین' ص ٧٦' ٧٧۔
(٣٤) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب وضع الید الیمنی تحت الخد الایمن۔
(٣٥) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فضل المعوذات۔
(٣٦) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق ' باب صفۃ ابلیس و جنودہ۔
(٣٧) صحیح البخاری' کتاب الدعوات ' باب التعوذ و القراءۃ عند المنام۔
(٣٨) صحیح مسلم' کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ و الاستغفار' باب ما یقول عند النوم و أخذ المضجع۔
(٣٩) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ' باب منہ۔
(٤٠) صحیح بخاری' کتاب النفقات' باب خادم المرأۃ۔
(٤١) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ' باب ما جاء فی الدعاء اذا آوی الی فراشہ۔
(٤٢) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ' باب منہ۔
(٤٣) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب فضل من بات علی الوضوء۔
(٤٤) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار' باب ما یقول عند النوم واخذ المضجع۔
(٤٥) صحیح البخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فی کم یقرأ القرآن۔
(٤٦) سنن الترمذی' کتاب الدعوات عن رسول اللہ' باب منہ۔
(٤٧) سنن الترمذی' کتاب فضائل القرآن' باب ما جاء فی فضل سورۃ الملک۔
(٤٨) سنن الترمذی' کتاب فضائل القرآن' باب ما جاء فی فضل سورۃ الملک۔
(٤٩) صحیح البخاری' کتاب الوضوء' باب فضل من بات علی الوضوء۔
(٥٠) صحیح مسلم' کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ و الاستغفار' باب ما یقول عند النوم و أخذ المضجع۔
(٥١) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب وضع الید الیمنی تحت الخد الأیمن۔
(٥٢) صحیح مسلم' کتاب الذکر و الدعاء و التوبۃ و الاستغفار' باب ما یقول عند النوم و أخذ المضجع۔
(٥٣) صحیح البخاری' کتاب الاستئذان' باب اغلاق الأبواب باللیل۔